گارساں دتاسی

اور اُس کے ہم عصر بہی خواہانِ اُردو

مُؤلّفہ

ڈاکٹر سیّد محیؔ الدّین قادری زورؔ

ایم۔ اے، پی ایچ ڈی (لندن)۔ صدر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ

معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اُردو

گارساں دتاسی

اور اُس کے ہم عصر بہی خواہانِ اُردو

یعنی

اُردو کے پہلے پروفسر، فرانس کے مشہور مستشرق
اور ہندستانیوں کے سچے بہی خواہ

کے

علمی و ادبی کارناموں، طریقہ تعلیم، تلامذہ، کتب خانہ، اُردو کی حمایت
اور تبلیغ کی کوششوں اور اس کے عہد کی یورپ کی درس گاہوں،
اُردو کے پروفسروں اور بہی خواہوں کا ایک اجمالی تذکرہ

مؤلفہ

ڈاکٹر سید محیؔ الدین قادری زور

ایم۔اے، پی ایچ ڈی (لندن)۔ صدر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ
معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اُردو

قیمت
ایک روپیہ
چار آنے

ملنے کا پتہ
سب رس کتاب گھر۔ خیریت آباد حیدرآباد دکن

طبع ثانی
سنہ ۱۹۴۱ء

طبع اول سنہ ۱۹۳۰ء

طبع ثانی سنہ ۱۹۴۱ء

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

فہرست

گارساں دتاسی

اور اُس کے ہمعصر بہی خواہانِ اُردو

سلسلہ نشان	مضامین	صفحات
ا	دیباچہ طبع ثانی	۳
ب	دیباچہ طبع اوّل	۹
۱	ابتدائی زندگی۔	۱۱
۲	اُردو سے شغف اور دیوان ولی۔	۱۳
۳	تاریخ ادبیات ہندوی و ہندستانی	۱۶
۴	ہندی کا شوق اور افتتاحیہ خطبے۔	۲۰
۵	۱۸۶۰ء سے ۱۸۷۵ء تک	۲۴
۶	آخری زمانہ۔	۲۷
۷	دتاسی کی تصنیفات۔	۳۲
۸	دتاسی کا کتب خانہ۔	۳۵
	ا۔ دکنی مخطوطے	
	ب۔ قلمی اُردو تذکرے	۴۲
	ج۔ اہم ہندستانی کتابوں کے مخطوطے	۴۵
۹	دتاسی کے درس اور طریقۂ تعلیم۔	۴۹
۱۰	دتاسی کے شاگرد اٹکنے۔ ابے باردلی۔ بلّاں۔ پاوی۔ ٹامس۔ ریو۔ ژاناں۔ سسے۔ سیّن کار ہنری کارٹر وغیرہ۔	۵۴
۱۱	اُردو کی اشاعت اور حمایت۔	۶۱
۱۲	یورپ کی اُردو درس گاہیں اڈسکومب رائل ملٹری کالج۔ آکسفورڈ یونیورسٹی۔ چلٹن ہم کالج۔ چیتہم انڈین ڈپو۔ ڈبلن یونیورسٹی۔ سینڈ ہرسٹ رائل ملٹری کالج۔ کیمبرج یونیورسٹی۔ لندن یونیورسٹی (کنگز کالج۔ یونیورسٹی کالج) وولچ رائل ملٹری اکیڈیمی۔ ہیلیبری کالج۔	۷۲

سلسلہ نشان	مضامین	صفحات
۱۳	دتاسی کے زمانہ کے دوسرے اُردو پروفیسر :-	۷۸
	۱ اسٹیفن	
	۲ اُلمان	
	۳ اولاد علی	
	۴ باؤلس	
	۵ بلین ٹائن	
	۶ چیمبرس	
	۷ روجرس	
	۸ رولینڈسن	
	۹ سیّد احمد	
	۱۰ سید عبداللہ	
	۱۱ شیکسپیئر	
	۱۲ گورڈن	
	۱۳ ماتھر	
	۱۴ ہاٹن	
	۱۵ ہال	
۱۴	ہمعصر مستشرقین :-	۹۱
	۱ آرنٹ	
	۲ اسپرینگر	
	۳ بروٹن	
	۴ بتروس	
	۵ بیمز	
	۶ پرنسپ	
	۷ ٹرویر	
	۸ ٹیلر	
	۹ روبک	
	۱۰ فلر	
	۱۱ فلکونر	
	۱۲ فوربز	
	۱۳ فیلن	
	۱۴ گلکرِسٹ	
	۱۵ لائٹنر	
	۱۶ لس	
	۱۷ ہال رانڈ	

دیباچۂ طبعِ ثانی

اُردو کے اس مشہور محسن کا تذکرہ آج سے بارہ سال قبل فرانس کے مشہور آفاق پایہ تخت پیرس میں لکھا گیا اور ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد کے ترجمان "ہندستانی" بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۱ع میں پہلی بار شایع ہوا اور ساتھ ہی کتابی صورت میں بھی چھپا تھا۔

گزشتہ دس سال کے عرصہ میں اُردو کی نسبت معلومات حاصل کرنے کا ذوق اتنا ترقی کر چکا ہے کہ اس کتاب کی مانگ حد سے بڑھ گئی اور اس کے مُرتّب کو مجبور ہونا پڑا کہ اس پر نظر ثانی کرکے اس کو دوبارہ شایع کرے۔ اس اثناء میں گارساں دتاسی کے خطبات بھی (سنہ ۱۹۳۵ع میں) شائع ہو چکے ہیں جن کے آگے مولوی عبدالحق صاحب کا ایک مختصر سا مقدمہ شامل ہے۔ اس مقدمہ میں دتاسی کے حالات اِسی تذکرہ سے نقل کئے گئے اور اگرچہ ماخذ کا حوالہ درج نہیں کیا گیا لیکن اُردو کی دنیا میں یہ کوئی تعجب اور افسوس کی بات نہیں۔[1] افسوس اس کا ہے کہ

[1] اہل اُردو سے دتاسی کو بھی اس امر کی شکایت تھی۔ چنانچہ وہ اپنی ۵ ر دسمبر سنہ ۱۸۶۴ع کی تقریر میں کہتا ہے کہ:- "مولوی کریم الدین اپنے اور دوسرے اہل وطن کی طرح اس بات کو کوئی عیب نہیں سمجھتے کہ کسی دوسرے مصنف کے خیالات کو بلا تکلف اپنی کتاب میں درج کر دیں۔ ہندستان میں یہ آزادی عام طور پر علمی دنیا میں برتی جاتی ہے۔ مترجمین تو ان بین الاقوامی معاہدوں کی مطلق کوئی پروا نہیں ہوتی جن کے مطابق ان کا فرض ہے کہ وہ جب کسی مصنف کی کتاب سے کوئی مضمون لیں تو اس کا اعتراف کریں۔"

"خطبات دتاسی" پر جیسا مقدمہ لکھا جانا چاہیئے تھا نہیں لکھا گیا۔ اصل خطبات کو پڑھنے اور اُن پر مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارا کرنے کی جگہ دتاسی کے اِسی تذکرے سے سرسری معلومات نقل کرلی گئیں۔ اس کے بعد دتاسی کی چند اور تقریریں انجمن ترقی اُردو کی طرف سے (سنہ ۱۹۴۱ء میں) شایع ہوئیں لیکن اِس شان سے کہ اس کی نسبت اُردو کے سنجیدہ نقاد اور ادیب مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے مؤقر جریدہ "صدق" بابتہ ۱۵ ار آگسٹ سنہ ۱۹۴۱ء میں یہ رائے ظاہر کی:-

"گارساں دتاسی کے تمہیدی خطبے۔ ۱۵۲ صفحات .....قیمت درج نہیں//گارساں دتاسی ایک مشہور فرنچ ادیب ہوا ہے جسے اُردو سے خاص ذوق تھا/... یہ ان میں سے چھ تمہیدی مقالات کا ترجمہ ہے.... نفس کتاب بھی دلچسپ اور پُر معلومات دونوں ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ نہ تو مترجم کا نام درج ہے اور نہ کوئی فہرست مضامین ہے۔ دیباچہ وغیرہ کا ذکر ہی کیا۔ ترجمہ کے صرف مصحح کا نام درج ہے وہ بھی ان کے بغیر اتے پتے کے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ "چ" کون صاحب ہیں اور مترجم کون۔ "عبدالحق" اور "ع۔ص"

کو بھی خاص ہی خاص لوگ سمجھ سکتے ہیں" ۔ وغیرہ
اس تبصرے کی مزید توضیح کی ضرورت نہیں ۔ ان حالات کے تحت اگر دتاسی کے اس تذکرہ کو دوبارہ نہ شایع کیا جاتا تو اس سے بڑھ کر اردو کے اس قدیم محسن پر اور کوئی ظلم نہ ہوتا ۔

اس دوسری طبع کے لئے پورے تذکرے پر نظر ثانی کی گئی اور اس میں بعض عنوانات کا اضافہ کر دیا گیا تاکہ دتاسی کی خصوصیات کے سمجھنے اور اس کی اور اس کے ہمعصروں کی اُردو خدمات کی صحیح اہمیت معلوم کرنے میں سہولت ہو ۔

دتاسی صحیح معنوں میں اُردو کا پہلا باضابطہ پروفسر تھا ۔ اس نے ہر وہ کام انجام دیا جو کسی زبان کے پروفسر کو کرنا چاہئے اور اس اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیا کہ وہ اُردو کی پروفسری کا جو معیار قائم کر گیا ہے وہ عرصہ تک دوسروں کے لئے بہترین نمونہ ثابت ہوگا ۔ اگرچہ اس کے زمانہ میں چند دوسری جامعات میں بھی اُردو کے پروفسر موجود تھے ۔ لیکن کسی نے اُردو کی نہ ایسی خدمت کی اور نہ کسی کو یہ عظمت حاصل ہو سکی

اس کتاب کے آئندہ صفحات ظاہر کریں گے کہ دتاسی کا کتب خانہ کتنا عظیم الشان اور اُردو کے کیسے کیسے نوادر سے معمور تھا ۔ اس نے اُردو کی تعلیم کا کتنا اچھا اور اصولی طریقہ اختیار کیا تھا ۔ وہ نہ صرف اچھا معلّم تھا بلکہ بہترین رہنما بھی ۔ اس نے اپنے شاگردوں میں اُردو کا

ایک ایسا ذوق پیدا کر دیا تھا کہ ان کے دلوں میں ہمیشہ اس زبان کی خدمت اور حمایت کا ولولہ موجزن رہا۔ اس کے شاگردوں کا جو مختصر تذکرہ اس کتاب میں درج ہے اس کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ ان میں بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے عہدے اور رتبے حاصل کئے۔ کوئی کلکتہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر ہوا اور ناظم تعلیمات تو کوئی ایشیاٹک سوسائٹی کا معتمد، کوئی کمشنر بنا، تو کوئی بڑا پادری۔ لیکن دتاسی کے ان تمام شاگردوں کے دماغ زندگی کے ہر شعبے اور ہر منزل میں اُردو کی حمایت اور تبلیغ کی تدبیریں سوچتے رہے۔

دتاسی کا زبان اور قلم دونوں اُردو کی حمایت کے لئے تیغ بے نیام کا کام کرتے تھے۔ اس نے اُردو کے ہر بد خواہ کی علی الاعلان مخالفت کی خواہ وہ اہل ہند ہو یا کوئی انگریز عہدہ دار، اس نے خود اُردو کے ادیبوں اور شاعروں سے راست مراسلت کی اور تعلقات قائم رکھے۔ وہ سر سید احمد خاں جیسے مشہور ادیب اور مصلح قوم کو بھی برابر مشورے دیا کرتا تھا۔ چنانچہ اُن کو رائے دی تھی کہ اپنی لغت کا نام بدل کر بجائے انگریزی کے اُردو میں رکھیں۔ وہ اپنی ایک تقریر میں کہتا ہے کہ:-

> سر سید احمد خاں کی اُردو لغت کے چار صفحات
> نموناً میرے یہاں بھیجے گئے ہیں۔ موصوف نے
> ..... میری رائے کے مطابق اس لغت کا
> نام (پرانا یورپین نام ترک کرکے) "لغت زبان اُردو"

رکھا ہے۔"

دتاسی نے اس لغت کے دوسرے دو عیبوں کی نسبت بھی اپنی رائے ظاہر کی تھی۔ یعنے یہ کہ :۔

(۱) ٹائپ کے حروف بہت چھوٹے ہیں اور

(۲) الفاظ کے ماخذ نہیں بتائے گئے۔

اسی طرح دتاسی نے منشی کریم الدین (مصنف طبقات شعرائے اُردو) کو مشورہ دیا تھا کہ "وہ اپنی دوسری کتابوں کے برخلاف اپنی جدید کتاب "خذ ما صفا" میں اس امر کا اعتراف کریں کہ کن کن ماخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔"

دتاسی کی شہرت اس کی زندگی ہی میں ہندستان پہنچ چکی تھی۔ جیسا کہ آئندہ صفحات ظاہر کریں گے۔ اس کی زندگی ہی میں اس کی کتابوں کے اُردو ترجمے شائع ہوئے اور مختلف رسالوں میں اس کی نسبت مضامین لکھے گئے۔ اس کی خدمات کا اعتراف اہل اُردو کی طرف سے سب سے پہلے غالباً ستمبر ۱۸۶۸ء میں سائنٹفک سوسائٹی علی گڈھ کے رسالہ تہذیب الاخلاق میں ایک مضمون کے ذریعہ سے کیا گیا جس کو اودھ اخبار نے بھی نقل کیا تھا۔ اس مضمون کا ذکر دتاسی نے اپنی ۷، دسمبر ۱۸۶۸ء کی تقریر میں اس طرح کیا تھا:۔

"میں اس مضمون نگار کا شکر گذار ہوں کہ اس نے میری تصانیف کو اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔"

افسوس ہے کہ تقریباً ساٹھ سال تک اہل اُردو دتاسی کو بھولے رہے

اور توقع ہے کہ یہ چھوٹی سی کتاب دتاسی کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف کا ایک مقدمہ ثابت ہوگی اور آئندہ اہل اردو اپنے اس محسن اعظم کی نسبت مبسوط کتابیں شایع کریں گے جس شخص نے اپنی زندگی کے ساٹھ، ستر سال مسلسل اردو کی خدمت میں گذارے اور اس زبان کی نسبت ایسے زمانہ میں ہزارہا صفحات تحریر کئے اور ہزاروں کتابیں جمع کیں جب کہ اس کو اتنی وسعت اور تقویت حاصل نہیں ہوئی تھی، ایسے محسن کی خدمات کی ہم جتنی قدر کریں کم ہے۔

آخر میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کرو دینا ضروری ہے کہ اردو ادب کی تاریخی معلومات کے سلسلہ میں دتاسی سے چند مقامات پر غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ لیکن غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے۔ اردو کے بڑے بڑے شاعروں اور انشا پردازوں نے بھی غلطیاں کی ہیں۔ شبلی کی شعرالعجم، آزاد کی آب حیات، میر تقی میر کی نکات الشعرا، وہ کتابیں ہیں جو ہر لحاظ سے ادب عالیہ میں شمار کی جاتی ہیں۔ لیکن جب ان میں بھی غلطیاں موجود ہیں تو دتاسی کی تحریروں میں چند غلطیوں کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جب یہ امر پیش نظر ہوگا کہ وہ کبھی ہندستان نہیں آیا اور ایک غیر ملک فرانس میں اس نے اردو سیکھی اور اردو کے متعلق معلومات حاصل کیں تو اس کی ان تصنیفات اور خدمات کی اہمیت اہل اردو کی نظر میں اور بھی بڑھ جائے گی جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

اس امر کا اعتراف ضروری ہے کہ اس دوسرے ایڈیشن کی تیاری میں دتاسی کی اصل فرانسیسی تالیفات کے علاوہ ترجمۂ خطبات گارساں دتاسی، اور دہلی کالج مرحوم (مطبوعہ انجمن ترقی اردو) سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

سید محی الدین قادری زور

رفعت منزل۔ خیریت آباد
یکم نومبر سنہ ۱۹۴۱ء

گارساں دتاسی

دیباچہ طبع اوّل

گارساں دتاسی اُردو ادب کا ایک قابل وقعت محسن ہے اس کے احسان نہ صرف اس لئے یاد رہیں گے کہ اس نے ہندستان سے دور ایک غیر ملک میں بیٹھ کر ہماری زبان اور ادب کی عمر بھر خدمت کی بلکہ اس لیے بھی کہ اس کے زمانے میں خود ہمارے ادیب اپنے علمی اور ادبی خزانوں کی صحیح قدر و قیمت سے ناواقف تھے، وہ پہلا شخص ہے جس نے اُردو ادب پر تحقیقات شروع کی اُس نے ہمارے مُصنفوں اور تصنیفوں پر ناقدانہ نظر ڈالی اور فرانسیسی زبان میں ہندستانی ادب کی ایک مبسوط تاریخ لکھ کر تین جلدوں میں شایع کی۔

یہ گارساں دتاسی ہی تھا جو اُردو کے مایۂ ناز قدیم شاعر ولیؔ کے کمال سے سب سے پہلے واقف ہوا اور اس کے کلام کے متعدد نسخوں کے مقابلے کے بعد ایک قابل یادگار دیوان شایع کرایا۔ نہ صرف یہی بلکہ بہت کم اُردو داں اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اس فرانسیسی محقق نے ہماری زبان اور ادب کے متعلق تیس[30] سے زیادہ کتابیں اور رسالے

لکھے اور شائع کیئے۔ اُردو ادبیات کی تمام تاریخ چھان ڈالیے بہت کم ادیب آپ کو ایسے ملیں گے جنھوں نے اپنی زبان اور ادب میں اس قدر کام کیا ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت تک اُردو کے بعض رسالوں میں اس فرانسیسی محقق کی ایک دو کتابوں کا کچھ سرسری ذکر کیا گیا ہے۔ حیدرآباد دکن کے ایک رسالے "تحفہ" میں چند سال قبل دتاسی کی معلومات کی بعض غلطیوں پر روشنی ڈالی گئی تھی اور انجمن ترقی اُردو کے رسالے اُردو میں اُس کے چند خطبوں کے اُردو ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں لیکن اس کی زندگی اور اُردو سے متعلقہ کارناموں کی نسبت اب تک کسی قسم کی معلومات اُردو تو اُردو کسی اور زبان میں بھی نہیں شایع ہوئیں 21

۱۹۲۹ء میں اُردو کی لسانی ساخت پر علمی تحقیقات کرنے کے سلسلے میں جب میں نے دوبارہ یورپ کا سفر کیا تو فرانس میں ایک سال سے زیادہ قیام کرنے کا موقع ملا۔ وہاں کے متفرق کتب خانوں کے اُردو مخطوطوں کا میں اپنے پہلے ہی سفر میں مطالعہ کر چکا تھا اور اسی ضمن میں گارساں دتاسی کی ہندستانی زبان کے متعلق اتنی فرانسیسی کتابیں نظر سے گزری تھیں کہ ان پر کچھ لکھنے کو بے اختیار جی چاہتا تھا۔ چنانچہ اس دوسرے سفر میں چھٹیوں وغیرہ میں جتنا بھی موقع مل سکا فایدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی اور آخر کار اس قابلِ عظمت محقق کی نسبت جو کچھ معلومات حاصل ہوسکیں اُن کا ایک مختصر سا خلاصہ آئندہ اوراق میں پیش کیا جاتا ہے۔

سید محی الدین قادری زور

جنوری ۱۹۳۱ء

اِبتدائی زندگی

دتاسی فرانس کے مشہور بندرگاہ مارسیلز میں ۱۷۹۴ء میں پیدا۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد جب مشرقی زبانوں کا شوق اُبھرا تو تیئس سال کی عمر میں وہ ۱۸۱۷ء میں پیرس پہونچا جہاں موسیو سِلوِسٹر دی ساسی (M. Silvestre de Sacy) السنۂ مشرقیہ کے پروفیسر کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔ دساسی نے اس نوجوان کا پدرانہ شفقت کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اس قدر خلوص اور توجہ کے ساتھ تعلیم دی کہ گارساں دتاسی نے بہت جلد عربی اور ترکی زبانوں پر دسترس حاصل کر لی۔ ان زبانوں سے اس نے فرانسیسی میں جو اعلیٰ درجے کے ترجمے کیے ہیں وہ اس امر کے شاہد ہیں کہ دساسی اپنے شاگرد کو کامیاب بنانے میں کس خلوص کے ساتھ مصروف تھا اور یہی وجہ تھی کہ گارساں دتاسی کے دل میں اپنے اُستاد کی شفقت اور خلوص کی یاد آخر عمر تک تازہ رہی۔

عربی اور ترکی زبانوں کی تحصیل ہی کے دوران میں دتاسی کو فارسی کا شوق پیدا ہو گیا اور فارسی ادب نے اس کو اِس قدر لُبھایا کہ اس زمانے میں اس نے دو تین فارسی کارناموں کا بھی فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر "منطق الطیر" کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمے کے ساتھ دتاسی نے اس کتاب پر ایک مقدمہ بھی شایع کیا جس میں اُس نے "ایرانیوں کی فلسفیانہ اور مذہبی شاعری" پر بحث کی

غالباً فارسی کتابوں ہی کے مطالعہ سے دتاسی کو تصوف کا شوق پیدا ہوا اور یہ وہ شوق ہے جو ایک دفعہ پیدا ہو جانے کے بعد بہت کم دور ہوتا ہے۔ چنانچہ دتاسی بھی اس میں اس قدر محو ہو گیا کہ تمام عمر صوفیاء کے عقائد اور انہی سے متعلقہ مسائل کا مطالعہ کرتا رہا اور شاید اس کا یہی شوقِ تصوّف تھا جس نے اس کو ہندستانی مُصنّفین کی طرف متوجہ کیا اور جس کی وجہ سے اس نے نہ صرف ہندستانی سیکھ لی بلکہ اس پر قابلِ قدر کام کیے۔

(۲)

اُردو سے شغف اور دیوانِ وَلی

مشہور اُردو شاعر میر تقی میر کی مثنوی اثر ورنامہ ان چند اُردو تحریروں میں سے ہے جو ابتدا میں دتاسی کو پسند آئیں اور جن کا فرانسیسی زبان میں اس نے ترجمہ کیا۔ میر کی اس مثنوی کا فرانسیسی ترجمہ ۱۸۲۶ء
Paris "Conciles aux mauvaise poets"
(Dondey- Dupre) کے نام سے شایع ہوا۔

جب دتاسی کے استاد سلوستر دساسی نے دیکھا کہ اس کا قابلِ فخر شاگرد ہندستانی ادب کا ماہر ہو کر اس میں اتنی دلچسپی لے رہا ہے تو اس نے حکومت سے درخواست کی کہ مدرسۂ السنۂ مشرقیہ میں ہندستانی زبان وادب کے لیے بھی پروفیسری کی ایک جگہ قائم کی جائے۔ چنانچہ موسیو دمار تیانک (M. de Martignac) کے مختصر سے عہد وزارت میں مشہور مستشرق کی یہ سفارش منظور کر لی گئی اور دتاسی ۱۸۲۸ء میں ہندستانی کا پروفیسر ہو گیا۔

یہ خدمت حاصل کرنے کے بعد دتاسی نے سب سے پہلے اپنے شاگردوں کی سہولت کے لیے ہندستانی زبان کا ایک قاعدہ مرتب کیا۔ جو ۱۸۲۹ء میں (Rudiment de la langue Hindoustanie) کے نام سے شایع ہوا۔ تین چار سال بعد دتاسی نے اس قاعدے کا

ایک ضمیمہ لکھنے کی ضرورت محسوس کی چنانچہ یہ ضمیمہ بھی ۱۸۳۴ء میں شایع ہوگیا۔

طالب علموں کی ضرورتوں کو پورا کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ دتاسی اپنے ذوق کے مطابق اُردو شہ کاروں کے مطالعہ میں بھی مصروف تھا۔ چنانچہ اِنہیں دو تین برسوں میں وہ کلیات ولی پر کام کرتا رہا۔ اس شاعر کا کلام اس کو اتنا پسند آیا کہ اس نے ہندستان سے اس کے متعدد قلمی نسخے منگائے۔ اُن کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا اور عرصۂ دراز کی محنت کے بعد ایک قابل قدر دیوان مرتب کیا جو ۱۸۳۴ء میں پیرس کے شاہی دار الطبع سے شایع ہوا۔

اِس کام میں دتاسی نے جس توجہ اور دلچسپی کو ملحوظ رکھا اس کا اندازہ دیوانِ ولی کے ان مخطوطوں کی طویل فہرست کے مطالعے سے ہوسکتا ہے جو دتاسی نے جگہ جگہ سے منگا کر جمع کیے تھے اور جن کا تذکرہ آئندہ صفحات میں دکنی مخطوطوں کے سلسلے میں پیش کیا گیا ہے۔

دتاسی کا "کلیات ولی" کئی حیثیتوں سے قابل قدر ہے اس کے ذریعے سے دتاسی نے نہ صرف اُردو کے ایک حقیقی شاعر کی صیحح عظمت اور مقبولیت سے روشناس کیا بلکہ اُردو دُنیا کے لیے قدیم شاعروں کے کلام کو سلیقہ سے ترتیب دینے کا ایک لایق تقلید نمونہ بھی پیش کیا لیکن اس نمونے کے باوجود بھی آج تک اُردو کے بہت کم شاعروں کے کلام اس احتیاط اور توجہ کے ساتھ شایع کیے گئے ہیں

دتاسی جہاں ولی جیسے عظیم الشان شاعر کے کلام کی ترتیب و تحقیق میں محو تھا ایک اور اُردو کتاب بھی اس کے زیر مطالعہ تھی۔ یہ تحسین الدین کی مثنوی "کامروپ" ہے۔ اس کتاب کی طرف دتاسی کی توجہ غالباً اس وجہ سے منعطف ہوئی کہ وہ ایک طویل مسلسل نظم تھی اور یہ وہ چیز ہے جس کی ولی کے یہاں کمی تھی۔ چنانچہ دتاسی نے کامروپ کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ بھی ۱۸۳۴ء میں شایع ہوا۔

اس کام کی خوبی اور مقبولیت کا اس واقع سے اندازہ ہوگا کہ اس ترجمے کی اشاعت کے بعد ایک سال کے اندر دتاسی اصل اُردو کامروپ کو شایع کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اس کے بھی، اس فرانسیسی محقق نے کئی قلمی نسخے جمع کئے تھے۔ یہ کتاب پیرس کے شاہی دارالطبع سے ۱۸۳۵ء میں چھپ کر نکلی۔ اسی سال دتاسی نے اُردو کی ایک اور مسلسل کتاب گل بکاؤلی کا فرانسیسی زبان میں خلاصہ شایع کیا۔

(۳)

تاریخ ادبیات ہندوی وہندستانی

ان ابتدائی کاموں کے بعد دتاسی کو اُردو کا خاصا ذوق پیدا ہوچکا تھا۔ اس اثناء میں اس نے ہندستانی مصنفیں کی بہت سی کتابیں اور تقریباً جملہ تذکرے اپنے کتب خانے میں جمع کرلیے تھے۔ جو انگریز یا فرانسیسی ہندستان آتے تھے دتاسی ان سے مراسلت کرکے اُردو مخطوطے اور مُصنفین کے حالات طلب کیا کرتا، چنانچہ اس مضمون کے آخری حصے کے مطالعے سے واضح ہوگا کہ اس سلسلے میں اس زمانے کے تمام مستشرقین سے اس کی شناسائی ہوچکی تھی۔ نیز ہندستانی ادبیات کے شوقین تیس، چالیس یورپین افراد سے بھی اس کو تعلق پیدا کرنا پڑا۔ خوش قسمتی سے دتاسی کی کاوشیں اکثر دفعہ کارگر ہوئیں۔ اس کا گھر ہندستان کے شاہی اور دوسرے عالی شان کتب خانوں کے بعض اچھے اچھے مخطوطوں یا ان کی نقلوں سے مالا مال ہوگیا۔ مطبوعہ کتابیں اس کے ہاں بطور تحفہ آنے لگیں اور بعض دفعہ اس کے لیے اس کے دوستوں نے خود مصنفیں سے ان کے حالات دریافت کرکے روانہ کیے۔

ان تمام سہولتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دتاسی چار پانچ سال کی محنت

کے بعد ہندستانی ادب کی ایک تاریخ مرتب کرنے میں کامیاب ہوگیا جو ۱۸۳۹ء میں "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندستانی" کے نام سے ایک جلد میں شایع ہوئی۔ یہ کتاب رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ برٹین اینڈ آئرلینڈ کے سلسلہ مطبوعات میں شریک تھی اور اس کو دتاسی نے ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے نام پر ان کی اجازت سے معنون کیا تھا۔ ۱۸۴۶ء میں دتاسی نے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن دو ضخیم جلدوں میں پیرس کے شاہی دارالطبع سے شایع کیا۔ یہ تاریخ نہ صرف یوروپی زبانوں میں اِس موضوع پر اپنی قسم کی پہلی تصنیف تھی بلکہ خود اُردو میں بھی اس طرح کا کوئی کام اس وقت تک نہیں کیا گیا تھا۔ یہ واقعی ایک عبرت کی بات ہے کہ ایک غیر شخص پہلی بار ہماری زبان و ادب کی تاریخ لکھ کر ہمارے آگے پیش کرتا ہے۔ بعد کو جب دتاسی کی معلومات میں اور اضافہ ہوگیا تو اس نے اُس کا ایک اور ایڈیشن ۱۸۷۰ء میں تین جلدوں میں شایع کیا۔

دتاسی کا یہ کارنامہ دیوانِ ولی کی اشاعت سے بھی زیادہ اہم تھا گو اس میں بعض جگہ غلطیاں دکھائی دیتی ہیں لیکن اس زمانے کی معلومات کے لحاظ سے ان غلطیوں کا پایا جانا ایک فطری بات تھی۔ جو کچھ مواد اُردو تذکروں، مخطوطوں کی اندرونی شہادتوں اور ادیبوں اور مستشرقین کے بیانات سے حاصل ہو سکا اس کو دتاسی نے خاص سلیقے اور خوبی سے ایک کارآمد کتاب کی شکل میں پیش کردیا۔ ہمارے تذکرہ نویسوں کے مبالغہ آمیز بیانات اور مُبہم اسالیب بیان اکثر دفعہ خود ہماری زبان

کے اہلِ تحقیق کو پریشان کر دیتے ہیں گارساں دتاسی تو ایک بالکل غیر ملک اور غیر طرز تمدن کا پروردہ تھا۔ اس کو ان کتابوں سے اصل مطلب اور کام کی باتیں حاصل کرنے میں جو دقت ہوئی ہوگی اس کا اندازہ ہم اُردو داں شاید ہی کر سکتے ہیں۔

دتاسی کی کتاب کی سب سے زیادہ مفید خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک سائنٹیفک تاریخ ادبیات اُردو ہے۔ ہمارے تذکرہ نویس، شاعروں کے اصل حالاتِ زندگی اور خصوصاً اُن کی تاریخ پیدائش ووفات یا کتابوں کے سنین تصنیف کے اظہار میں ہمیشہ غافل رہے ہیں۔ دتاسی کو بھی اسی کی بڑی سخت شکایت ہے۔ اس نے ضروری حالات اور معتبر تواریخ معلوم کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کی ہے۔ اوران تاریخوں وغیرہ کے لحاظ سے تو دتاسی کا یہ کام بے حد قابل قدر ہے۔

یہ کارنامہ ابھی اختتام تک نہیں پہنچا تھا کہ اِس کی اہمیت کا دتاسی کے ہم وطن ہم عصروں نے اندازہ لگا لیا۔ فرانسیسی علماء اس کی مشکلات اور کام کی خوبی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندستانی" کی اشاعت سے ایک سال قبل ہی یعنی ۱۸۳۸ء میں گارساں دتاسی کو فرنچ اکیڈیمی کا رکن بنا لیا۔ یہ وہ عزت ہے جو فرانس میں بہت کم ادیبوں اور محققوں کو اس عمر میں حاصل ہوتی ہے۔

دتاسی کی تاریخ ادب صرف فرانس ہی میں نہیں بلکہ انگریز مستشرقین میں بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی۔ چنانچہ اس کی اشاعت کے بعد

ہی اُنھوں نے ہندستانی میں اُس کے ترجمے کا خیال کیا اور آخر دہلی کالج کے استاد، منشی کریم الدّین نے اپنی کتاب طبقات الشعراء اسی فرانسیسی تاریخ کے ایک آزاد ترجمے کے طور پر شایع کی۔

اس سلسلے میں منشی کریم الدّین اور دتاسی کے درمیان مراسلت بھی جاری رہی چنانچہ دتاسی کے مخطوطوں میں سے ایک دو ایسے بھی ہماری نظر سے گزرے ہیں جن کو منشی کریم الدّین نے اس پردیسی محقّق کے یہاں بطور تحفہ روانہ کیا تھا۔

(۴)

ہندی کا شوق اور افتتاحیہ خطبے

تاریخ ادب اُردو کی اشاعت کے بعد دتاسی کچھ عرصہ تک درس وتدریس ہی میں مشغول رہا اور اس بات کی کوشش کی کہ ہندستانی کی دوسری شاخ ہندی پر اور زیادہ مہارت حاصل کرے۔ اس نے اپنی تاریخ میں ہندی مصنفین کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اب اس نے محسوس کیا کہ اس طرف اور بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ساتھ ہی گارساں دتاسی نے اُردو کام کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا چنانچہ ۱۸۴۵ء میں میاں مسکین کے ایک مرثیئے کا فرانسیسی ترجمہ شایع کیا اور اسی زمانہ میں گورنر جنرل لارڈ الین برو کے اس فرمان کا بھی ترجمہ چھپوایا جو مندر سومنات کے دروازوں سے متعلق شایع کیا گیا تھا۔

پیرس کے مدرسۂ السنہ مشرقیہ (ایکول دے لانگ اورینتال) میں ہندستانی کے ساتھ ساتھ دتاسی ہندی بھی پڑھایا کرتا تھا لیکن فرانسیسی زبان میں اس زبان کے سیکھنے کے لئے کوئی قاعدہ موجود نہ تھا۔ اور یہ کام بھی دتاسی ہی کو کرنا پڑا۔ چنانچہ ہندستانی قواعد کی اشاعت کے اٹھارہ سال بعد ۱۸۴۷ء میں اس نے "قاعدۂ زبان ہندی" کے نام سے ایک کتاب شایع کی جو اپنے موضوع کے لحاظ سے بالکل نئی اور کارآمد

کاوش تھی۔

ان تمام کاموں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ دتاسی کی شہرت ہندستان میں پھیل چکی تھی اور نہ صرف انگریز بلکہ ہندو اور مسلمان ادیب بھی اس کے یہاں تنقید و تبصرہ کے لئے اپنے کام روانہ کرنے لگے۔ اس طرح دتاسی کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہوگئی۔ اور بغیر زیادہ کد و کاوش کے اس کے گھر ہندستانی ادبیات کا ذخیرہ جمع ہونے لگا۔

جب دتاسی نے دیکھا کہ مستقل طور پر ہندستان سے معلومات حاصل کرنے کے ذریعے پیدا ہوگئے ہیں تو اس نے ہر تعلیمی سال کے آغاز پر اپنے معمولی درسوں سے پہلے ایک خطبۂ افتتاحیہ پڑھنا شروع کیا اس خطبے میں وہ سالِ گزشتہ کی جملہ ہندستانی ادبی اور علمی تحریکوں پر نظرِ بازگشت ڈالتا تھا۔ اِس قسم کا پہلا خطبہ ۱۸۵۰ء میں شایع ہوا اور یہ سلسلہ مسلسل اُنیس سال تک یعنے ۱۸۶۹ء تک جاری رہا۔

دتاسی کے یہ خطبے تاریخی حیثیت سے بے حد قیمتی ہیں۔ اُن سے ہندستانی زبان و ادب کی سن دار سالانہ ترقی محفوظ ہوگئی ہے اور محققین کے لیے ایک نہایت مفید مواد حاصل ہوگیا ہے۔ خوش قسمتی سے اُن میں سے بعض مطبوعہ خطبوں کے اُردو ترجمے انجمن ترقی اُردو کے رسالہ اُردو میں شایع ہو چکے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے وہ لوگ جو فرانسیسی نہیں جانتے اُن کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ان خطبوں نے دتاسی کے زمانے میں ہندستانی ادب کی حمایت

و اشاعت کا بہت کچھ کام کیا ہے۔ چنانچہ دتاسی کی وفات کے بعد فرانسیسی اکیڈیمی کے صدر نے مجلس میں سرکاری طور پر جب اس کے اوصاف بیان کیے تو دورانِ تقریر میں ان خطبوں کا بھی ذکر کیا۔ اس کے الفاظ کا اُردو ترجمہ یہ ہے:۔

"مدرسۂ السنۂ مشرقیہ کے پروفیسر کی حیثیت سے دتاسی ہر سال اپنے لکچروں کو ایک خطبے سے شروع کرتے تھے جس میں وہ گزشتہ سال کی ادبی تحریکاتِ ہند پر نظرثانی کرتے۔ یہ تبصرہ اتنا صحیح اور ثقہ ہوتا تھا کہ اس کو نہ صرف اہلِ فرانس ہی پڑھتے بلکہ انگلستان، روس اور ہر اس جگہ کے لوگ جہاں مشرق سے دلچسپی لی جاتی، اس تبصرہ کا غور وخوض سے مطالعہ کرتے تھے خود ہندستان میں ہمارے رفیقِ کار کی رائے کو بڑی وقعت سے دیکھا جاتا تھا"۔

اس اثناء میں دتاسی کی نظر سے ایک اُردو ڈرامہ گزرا، اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ اُردو ادب میں اِس صنف کی قابلِ افسوس کمی ہے اِس لیے اس ڈرامے کو اس نے غور سے پڑھا، اور نہ صرف یہی بلکہ، اس کا فرانسیسی میں ترجمہ بھی کیا جو ۱۸۵۰ء میں شایع ہوا۔

اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ اس زمانے میں دتاسی ہندی کی طرف بھی متوجہ تھا۔ اس سلسلے میں یہاں یہ امر قابلِ اظہار ہے کہ ۱۸۵۲ عیسوی میں اُس نے "شکنتلا ناٹک" کا ایک فرانسیسی ترجمہ شایع کیا۔

دو سال بعد ۱۸۵۴ء میں دتاسی نے ایک اور دلچسپ کام ختم کیا

یعنی "ہندوستان کی عورت شعراء" پر اُس نے ایک کتاب شایع کی جو اپنے موضوع کے لحاظ سے واقعی نئی چیز تھی۔

دوسرے ہی سال یعنے ۱۸۵۵ء میں دتاسی کی ایک اور قابلِ قدر کتاب شایع ہوئی جس کا نام "ہندستانی مُصنفین اور ان کی تصانیف" ہے۔ یہ کتاب گو ضخیم نہیں لیکن تاریخ ادبیات اُردُو لکھنے والے کے لیے نہایت مفید ہے اور حوالہ جات کی کتابوں میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب اصل میں اس کا پانچواں سالانہ خطبہ تھا جو اُس نے ۱۸۵۵ء میں سال تعلیمی کے آغاز پر دیا تھا۔

اس کے بعد کے دو برسوں میں اگرچہ اس فرانسیسی محقّق کی کوئی خاص کتاب شایع نہیں ہوئی لیکن یہ ملحوظ رہے کہ وہ ہر سال جو خطبہ افتتاحیہ پڑھا کرتا تھا وہ ساتھ ہی ایک رسالہ کی شکل میں شایع ہو جاتا تھا۔ اس موقعے پر اس امر کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد اُس نے جو خطبہ لکھا وہ اس زمانے کے قیامت خیز واقعات کا ایک ہم عصر تبصرہ ہونے کی وجہ سے نہایت قیمتی ہے۔

اس عرصے میں دتاسی نہال چند لاہوری کی کتاب "تاج الملوک بکاؤلی" پر بھی کام کرتا رہا تھا چنانچہ اس کا ترجمہ ۱۸۵۸ء میں شایع ہوا۔

(۵)

سنہ ۱۸۶۰ء سے سنہ ۱۸۷۵ء تک

اب دتاسی بہت بوڑھا ہو چلا تھا مگر اس کی علمی دلچسپیاں اور کام کاج برابر جاری تھے۔ اس کی عمر پینسٹھ سے زیادہ تھی جب اس نے سرسید احمد خاں کی مشہور کتاب "آثار الصنادید" کا فرانسیسی ترجمہ کرنا شروع کیا۔ اس کتاب کی موجودہ ادبی اور تاریخی اہمیت سے اہل نظر ناواقف نہیں ہیں۔ لیکن ستّر برس پہلے ایک اجنبی پروفیسر کا اپنے بڑھاپے میں اس کے ترجمے کا ارادہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ اس کتاب نے اس کو کتنا متاثر کیا تھا اور یہ بھی کہ دتاسی کا ذوقِ علم کس قدر اعلیٰ تھا کہ ترجمے کے لیے فوراً اس کتاب کو انتخاب کر لیا۔ یہ ترجمہ سنہ ۱۸۶۱ء میں پیرس کے شہنشاہی مطبع سے چھپ کر نکلا۔

دو سال بعد سنہ ۱۸۶۳ء میں دتاسی نے اپنے قدیم "قاعدہ زبان ہندوستانی" پر نظرِ ثانی کر کے اس کی دوسری طبع شایع کی۔ یہ کتاب پہلی دفعہ سنہ ۱۸۳۳ء میں شایع ہوئی تھی اور تیس سال کا درمیانی عرصہ درس و تدریس کے عملی تجربوں کے لحاظ سے کافی سبق آموز تھا۔ بعد کے چند مہینے اُردو "اخوان الصفا" کے اقتباسات کے ترجمے میں گزرے اور یہ ترجمہ سنہ ۱۸۶۴ء میں شایع ہوا۔

اس کے بعد پانچ چھ برس تک دتاسی نے کوئی نیا کام نہیں کیا البتہ سالانہ افتتاحیہ خطبے تیار کرتا رہا جو ہر سال وسعت معلومات اور

پختگی نقطۂ نظر کی وجہ سے زیادہ پُر لُطف اور مفید ہوتے جاتے تھے

اس عرصے میں "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی" کو چھپے ہوئے تیس سال سے زیادہ گذر چکے تھے اور درمیانی زمانے میں گارساں دتاسی کی معلومات سرعت کے ساتھ ترقی کر چکی تھیں اس لحاظ سے ضروری تھا کہ وہ اس پر نظر ثانی کرتا۔ چنانچہ خوش قسمتی سے پچھتّر برس کی عمر میں وہ یہ کام بھی کر سکا۔ اور جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے اس کی تاریخ کی دوسری طبع، اس دفعہ تین جلدوں میں، ۱۸۷۰ء میں شایع ہوئی۔

اس طبع کے وقت وہ پروفیسر اور محقّق کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔ دُنیا کے ہر مہذب ملک میں اس کے قدردان پیدا ہو گئے تھے۔ بادشاہوں کے درباروں سے اس کو بڑے بڑے خطابات عطا کئے تھے۔ اس کی جماعتوں میں طالب علموں کی کثرت تھی اور اکثر نوجوان مستشرق اس کے اسّی سال کے تجربوں اور معلومات سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اس کی اس مقبولیت کا اندازہ اس مضمون کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے جو فرانس کے ایک مشہور رسالہ "صحیفہ علماء" (Journal des Savants) کے مئی ۱۸۷۵ء کے نمبر میں شایع ہوا تھا۔ اس مضمون نگار کا نام بارتھیلمی ساں ہلیر (B. Saint. Hilaire) تھا۔ وہ اپنے مضمون کو جن الفاظ میں ختم کرتا ہے اُن کا اُردو ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے تاکہ دتاسی کی نسبت اس کے ایک ہم عصر کی رائے معلوم ہو سکے:۔

"آج پچاس برس کا عرصہ گذر گیا کہ دتاسی اس کام (یعنی پروفیسری) کو نہایت خوبی اور کمال سے انجام دے رہے ہیں اور اُن کے شاگردوں کی تعداد خاصی ہو گئی ہے۔"

(٦)

آخری زمانہ

دتاسی کی زندگی کے آخری سال کچھ کم مشغولیت میں نہیں گذرے وفات سے ایک دو سال پہلے یعنے ۱۸۷۶ء میں اس نے ایک اور اہم کام ختم کیا۔ اس کی عمر بیاسی سال کی تھی جب اُس کا یہ کارنامہ شایع ہوا۔ یہ کتاب ہندوستانی، عربی، فارسی، اور ترکی مقبول عام نظموں مقولوں اور تلمیحوں کے فرانسیسی ترجموں کا مجموعہ تھی۔ اس کی خوبی اور اہمیت کا اندازہ اس امر کے اظہار سے ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ایسے مستشرق کی مسلسل محنت اور حصول معلومات کا نتیجہ ہے جس نے اپنی زندگی کا سارا بہترین زمانہ (یعنے ساٹھ ستّر سال) اسلامی زبانوں، تہذیب اور ادبیات کے مطالعے اور درس وتدریس میں گذار دیا۔

اس دلچسپ کتاب کی ترتیب کے ساتھ ساتھ دتاسی ایک اور اہم علمی خدمت میں مشغول تھا۔ چونکہ وہ خود بوڑھا ہو چکا تھا اس لیے اپنے شاگرد رشید دیلانکل (F. Delancle.) سے اس نے ایک "ہندوستانی فرانسیسی اور فرانسیسی ہندستانی لغت" تیار کرنے کی فرمایش کی اور خود اس کام کی شروع سے آخر تک نگرانی کرتا رہا۔ یہ اعلیٰ درجے کا کارنامہ بھی ۱۸۷۶ء میں شایع ہوا۔

ان دو اہم کتابوں کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد ہی دتاسی نے میرامن کی "باغ و بہار" کا فرانسیسی ترجمہ شروع کیا جو ۱۸۷۸ء میں اس کی وفات سے چند مہینے پہلے چھپ کر نکلا۔ لیکن یہ کتاب دتاسی کا آخری کارنامہ نہیں تھی۔ اس کی آخری کوشش "مسلمانوں کے نام اور خطاب" کے نام سے شایع ہوئی اس کتاب کا موضوع بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ فرانسیسی محقق اپنی آخری عمر میں اِسلام اور مسلمانوں پر کام کرنے میں مشغول تھا۔ اور اسلامی تصوّف کا وہ ذوق جس نے پچیس تیس برس کی عمر میں اس کو اسلامی زبانوں کی تحصیل کی طرف متوجہ کیا تھا، چوراسی برس کی عمر میں یعنے ۱۸۷۸ء تک اس سے کام کراتا رہا۔

دتاسی ایک اَن تھک محنت کرنے والا انسان تھا۔ اس کی ساری عمر پُرخلوص علمی خدمت میں گذری۔ فرانسیسی زبان میں ہندستانی کے متعلق اُس نے جو معلومات منتقل کی ہیں اتنی معلومات ہماری زبان کی نسبت خود انگریزی میں بھی اب تک موجود نہیں۔ حالانکہ اس وقت تک کئی انگریز علماء اس موضوع پر کام کرتے رہے ہیں اور اُنھیں دتاسی کے مقابلے میں ہر طرح کی سہولتیں بھی حاصل رہیں۔

دتاسی نے ایک کامیاب زندگی بسر کی۔ خوش قسمتی سے اس کے زمانے نے بھی اس کی وسعت معلومات اور غیر معمولی لیاقت سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی اور اس کی محنتوں کے بار آور ہونے کے لئے ہر طرح کی امداد پہونچائی۔

فرانس میں اس کی کماحقہٗ، عزت افزائی ہوئی۔ نہ صرف انستیتیوت دفرانس جیسی رفیع الشان مجلس کا وہ رکن بنایا گیا بلکہ "شیوالیر دلا لیژیوں دانر"
(Chevaliar de la Legion d'honneur)

جیسا اعلیٰ رتبہ بھی اس کو حاصل ہوا۔ دوسرے ملکوں سے اس کو جو خطابات عطا ہوئے اُن کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ پرتگال۔

"Commandeur del' ordra de saint jaque du Portugal"

۲۔ سویڈن

"Chavalier de' l' E toile Polaire de Suede"

۳۔ ہندستان۔

"Knighr of the Imperial order of the star of india"

اِن درباری اور سیاسی ہمت افزائیوں کے علاوہ دتاسی کی حقیقی علمی قدر و منزلت اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ پیرس کی مشہور ایشیاٹک سوسائٹی کا نہ صرف بانی تھا بلکہ آخر میں اس کا صدر بھی منتخب ہوا تھا۔ سینٹ پیٹرس برگ، برلن، ویّنا، فلارنس، اسپال وغیرہ جیسے اہم مقامات اور دارالحکومتوں کی مشہور علمی اکیڈمیوں اور اعلیٰ مجلسوں کا مصروف رکن ہونے کے علاوہ دتاسی، لندن، کلکتہ

اور بمبئی کی ایشیاٹک سوسائیٹیوں کا اعزازی رکن تھا۔

لیکن ان تمام اعزازات اور رتبوں کے باوجود گارساں دتاسی ایک منکسر مزاج اور سادہ طبیعت آدمی تھا۔ اس کی وفات کے بعد اکیڈیمی کے صدر نے اس کے اوصاف میں جو تقریر کی اور جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے اس کے چند اقتباسات کا ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے جس سے دتاسی کے اخلاق و عادات پر روشنی پڑتی ہے۔

"گزشتہ چہارشنبہ کو موسیو گارساں دتاسی کا جنازہ اُٹھایا گیا اُن کی خواہش کے مطابق جس کو اُنھوں نے باضابطہ ظاہر کیا تھا، اکیڈیمی سرکاری طور پر اُن کے جنازے کی ہمراہی کے لئے شریک نہیں ہوئی۔ یہ بحیثیت دوستوں کے تھا جو ہم نے ان کے جنازہ کی ہمراہی کی لاش مارسیلز کو روانہ کی گئی اور کوئی تقریر نہیں کی گئی۔ اس لئے اب اجازت دیجئے کہ اپنے کھوئے ہوئے دوست کو الوداع کہیں۔۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - -

ان کی شہرت ہندستان میں فرانس سے زیادہ تھی۔ ہندستانی صحیفوں میں ان کی تصویریں چھپیں اور نثر و نظم میں اس مغربی تنقید نگار کی مدح میں گیت گائے گئے۔ - - - - - -

گارساں دتاسی کا نام ایک اَنْ تھک کام کرنیوالے ایک پختہ مستشرق کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہیگا لیکن جس چیز کی ہم (جو انھیں جانتے تھے) تعریف کرنے پر مجبور ہیں وہ اُن کے اخلاق، نرم دلی اور ناقابلِ قبول اِنکسار ہے وہ دوسروں کے مقابلے میں خود کو چھوٹا سمجھنے کے لئے ہمیشہ تیار تھے۔ اپنے آباء و اجداد کے مذہب عیسائیت کے وہ پورے معتقد تھے اور صبر و رضا کے ساتھ انتقال کیا۔"

(۷)

دتاسی کی تصنیفات

یوں تو اس کتاب میں اپنی اپنی جگہ پر دتاسی کی کتابوں اور ان کی خصوصیتوں کا ذکر گزر چکا ہے لیکن آخر میں اُن کی ایک فہرست بلحاظ نوعیت لکھ دی جاتی ہے تاکہ اہل اُردو ایک نظر میں معلوم کر سکیں کہ اس محسن اُردو نے ہماری زبان کے لیے کیا کیا کام انجام دئے تھے اور اس کی نظر میں مشرقی زبانوں کی کونسی کتابیں اور ان سے متعلقہ کونسے موضوع اہمیت رکھتے تھے۔ اس کے کارنامے تین قسم کے ہیں۔

ا۔ اُردو کتابوں اور تحریروں کے فرانسیسی تراجم

ب۔ اصل اُردو کتابوں کی ترتیب اور اشاعت

ج۔ فرانسیسی میں کتابیں۔

ا۔ تراجم

(۱) منطق الطیر فارسی

(۲) مثنوی اژدر نامہ میر تقی میرؔ مطبوعہ سنہ ۱۸۲۶ء

(۳) مثنوی کامروپ تحسینُ الدین ... ،، سنہ ۱۸۳۴ء

(۴) خلاصہ گل بکاؤلی .... ،، سنہ ۱۸۳۵ء

(۵) مرثیہ مسکین .... ،، سنہ ۱۸۴۵ء

(۶) فرمان وائسرائے دربارۂ سومنات — مطبوعہ — ۱۸۴۵ء

(۷) اُردوٗ ڈرامہ .... " — ۱۸۵۰ء

(۸) شکنتلا ناٹک .... " — ۱۸۵۲ء

(۹) آثار الصنا دید .... " — ۱۸۶۱ء

(۱۰) اخوان الصفا .... " — ۱۸۶۴ء

(۱۱) اُردوٗ، فارسی، عربی، ترکی کے مشہور مقولوں، نظموں اور تلمیحوں کا ترجمہ " — ۱۸۷۶ء

ب ۔ ترتیب

(۱) کلیاتِ ولی اورنگ آبادی — مطبوعہ — ۱۸۳۴ء

(۲) مثنوی کامروپ تحسینُ الدین " — ۱۸۳۵ء

ج ۔ تصنیف و تالیف

(۱) اُردوٗ کا قاعدہ — مطبوعہ — ۱۸۲۹ء

(۲) ادب اُردوٗ و ہندی کی تاریخ " — ۱۸۳۹ء

(۳) ہندی کا قاعدہ " — ۱۸۴۷ء

(۴) خطبۂ افتتاحیہ " — ۱۸۵۰ء

(۵) ہندستانی شاعر عورتیں " — ۱۸۵۴ء

(۶) ہندستانی مصنفین اور ان کی تصنیفات " — ۱۸۵۵ء

(۷) اُردو کا قاعدہ دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۶۳ء

(۸) ادب اُردو و ہندی کی تاریخ دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۷۰ء

اِن کے علاوہ بیسیوں خطبے، مقالے اور تقریریں کتابوں اور کتابچوں کی صورت میں شایع ہوئیں۔ ان میں دتاسی کے ۱۹ افتتاحی خطبات کا ایک ضخیم مجموعہ "ہندستانی ادب از ۱۸۵۰ء تا ۱۸۷۷ء" خاص کر قابلِ ذکر ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ حال میں انجمن ترقی اُردو کی طرف سے تقریباً نوسَو صفحات میں شایع ہوا ہے۔

دتاسی کی کتابوں کے دیگر اُردو تراجم کے سلسلے میں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اس کی کتاب "ہندستانی مصنفین اور ان کی تصنیفات" کا اُردو ترجمہ اُردو کے مترجم شمس العلماء منشی ذکاءاللہ دہلوی نے اصل کتاب کی اشاعت کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۸۵۶ء میں شایع کیا تھا۔ اور اس کے چار سال قبل تاریخ ادبیات ہندستانی کا ترجمہ منشی کریم الدّین نے "طبقات الشعراء" کے نام سے ۱۸۵۲ء میں چھپوایا تھا۔

(۸)

دتاسی کا کتب خانہ

دتاسی کتابوں کا کیڑا تھا۔ اس نے ہزارہا کتابیں جمع کی تھیں۔ اس کے کتب خانے کی فہرست سے یہاں ہم صرف ایسی کتابوں کے نام اور تفصیلات درج کرتے ہیں جن سے ادب اُردو کی نسبت تاریخی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

ا۔ دکنی مخطوطے

۱۔ قصص الانبیاء۔ محمد بن حسن الدینوری الحنفی کی فارسی کتاب "قصص الانبیا" کا دکنی ترجمہ از عبدالصمد عبدالوہاب خان ابن نصرت خان اصل فارسی کتاب ثعلبی کی عربی قصص الانبیاء کا ترجمہ تھی۔

خوش خط مخطوطہ۔ نظام آباد یا ارکاٹ (تحصیل محمد پور) میں ۱۲۳۳ھ (م ۱۸۱۷ء۔ ۱۸۱۸ء) نقل کیا گیا۔ ۲۱۱ ورق (کیٹلاگ نمبر ۲۷۸۵)

۲۔ خزانۂ عبادت۔ طویل مثنوی، مصنفۂ شاہ محمد قادری سنہ تصنیف ۱۰۹۹ھ (م ۱۶۸۴ء) دکنی مسلمان اِس کتاب کی بہت عزت کرتے ہیں مخطوطہ خوش خط نستعلیق میں، شہر مدراس میں ۱۸۴۷ء میں نقل کیا گیا۔ کاتب غلام قادر۔ گارساں دتاسی کو یہ نسخہ پانڈیچری کے موسیو اے، سیسے (M.E Sice) نے دیا تھا۔ ۲۸۷ ورق

(کٹلاگ نمبر ۲۷۸۶)

(۳) قصۂ فیروز شاہ —— مصنفہ محمد عاجز دکنی مصنف لعل و گوہر یہ مخطوطہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی ملکیت رہ چکا تھا۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۰۴)

(۴) قصۂ پیغمبراں —— مُلّا محمد باقر مجلسی کی فارسی کتاب "حیات القلوب" کا اُردو ترجمہ۔ از ولی محمد بن حافظ میراں۔ مخطوطہ پانڈیچری میں نقل کیا گیا تھا۔ خط بہت اچھا، (کٹلاگ نمبر ۲۷۸۴)۔

(۵) دیوانِ ولی —— شاہ محمد ولی اللہ۔ جہاں جہاں سمجھ میں نہیں آیا، یا جہاں الفاظ متروک نظر آئے کاتب نے اپنے زمانے کے الفاظ داخل کر دیے ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر دفعہ اُس نے غالبًا اپنے اشعار داخل کر کے اُنھیں ولیؔ سے منسوب کر دیا ہے۔ ۱۸۲ صفحات۔ (اس مخطوطہ کا نام دتاسی نے دیوانِ ولی مخطوطہ ای (.M.E) رکھا تھا۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۱)۔

(۶) دیوانِ ولی —— یہ مخطوطہ گارساں دتاسی کے مخطوطات دیوانِ ولی میں سب سے زیادہ مکمل، صحیح، قدیم اور قابلِ وثوق ہے۔ اُسی کے مطابق دتاسی نے اپنا دیوانِ ولی مرتب کیا تھا۔ اس کا نام مخطوطہ نمبر ا (.M.A) تھا۔ اس کا کاتب سمجھ دار اور محتاط آدمی ہوگا۔ ۱۲۵ ورق۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۲)۔

(۷) دیوانِ ولی۔ مخطوطہ د (.M.D) قدیم، نہایت صحیح لیکن کاتب نے وہ اشعار چھوڑ دیے جن کو وہ سمجھ نہ سکا۔ یہ مخطوط

ہتو فی ڈبلیو پرائس کی ملکیت تھا اور اسی سے اس مستشرق نے اپنی "ہندستانی گرامر" میں تین غزلیں منتخب کر کے شایع کی ہیں۔ ۲۷۰ ورق ۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۳)

(۸) دیوانِ ولی ــــ مخطوطہ سی (.M.C) مورخہ ۲۶ صفر سنہ ۲۲ جلوس محمد شاہی ۔ لکھا نہیں کہ کس شہر میں، لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ شمالی ہند میں نقل کیا گیا ۔ ۲۰۲ ورق (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۴)

(۹) دیوانِ ولی ــــ مخطوطہ ایف (.M.F) نہایت اچھا نسخہ خوش خط لیکن نامکمل ۔ صرف ردیف (و) تک کی غزلیں شامل ہیں یہ مخطوطہ جے ڈبلیو رسل (J.W. Russel) کی ملکیت رہ چکا تھا۔ اور دتاسی کو مشہور مستشرق شکسپیئر نے دیا تھا ۔ ۱۲۶ صفحات ۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۵)۔

(۱۰) دیوانِ ولی ــــ مغل شاہنشاہ محمد شاہ کے کتب خانے کی ملکیت ۔ نفیس تحریر، صحیح اور بغیر تغیر و تبدل کے ۲۳۲ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۶)۔

(۱۱) دیوانِ ولی ــــ مخطوطہ جی (.M.G) مکمل اور بہت اچھی حالت میں ۔ بغیر تاریخ ۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۷)

(۱۲) دیوانِ ولی ــــ مخطوطہ آئی (.M.I) ایس لی پریسان (.S. Lee Paraissan) کی ملکیت مورخہ سنہ ۱۷۸۰ء مکمل ۔ لیکن بعض جگہ غلط، (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۸)۔

(۱۳) دیوانِ ولی ـــــ مورخہ ۱۷۸۰ء کپتان فولیس (Faules.) کی فرمائش پر نقل کیا گیا تھا۔ نہایت صاف لکھا ہوا اور مکمل ۲۵۷ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۸۹)۔

(۱۴) دیوانِ ولی۔ خود گارسان دتاسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ اسی سے کلیات ولی ۱۸۳۴ء میں شایع کیا گیا۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۳۰)

(۱۵) رسالۂ توحید یا کتابُ التصوف۔ صوفیانہ موضوع پر دکنی زبان کی ایک مشہور نظم، ۲۰۹ اوراق، (کٹلاگ نمبر ۲۸۴۵)

(۱۶) توتی نامہ ـــ نخشبی کی کتاب کا دکنی نظم میں ترجمہ از مولانا غوّاصی۔ نسخہ نہایت قدیم اور نہایت خوش خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ حمد و نعت کے بعد ایک فصل چار صفحے کی سلطان عبداللہ قطب شاہ کی مدح میں ہے۔ ۲۰۰ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۴۹)

(۱۷) لعل و گوہر ـــــ از محمد عاجز دکنی۔ ایک خوش خط مجموعے میں شامل ہے۔ آخر میں سحر البیان بھی نقل کی گئی ہے۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۶۲)

(۱۸) قصّۂ لعل و گوہر ـــ از محمد عاجز دکنی۔ ایک مجموعہ میں شامل ہے جس میں "مفرح القلوب" ترجمۂ ہتوپدیش بھی منقول ہے۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۶۳)

(۱۹) پنچھی باچھا ـــــ "منطق الطیر" فریدالدّین عطّار کا دکنی ترجمہ از وحیدالدّین۔ مصنفہ ۱۱۳۴ھ (م ۱۷۱۲ء ـ ۱۷۱۳ء) یہ مخطوطہ پانڈیچیری کے موسیو سسے کی ملکیت رہ چکا تھا۔ اور حضور نظام حیدرآباد

کے کتب خانے سے نقل کیا گیا تھا۔ ۱۷۶ اوراق (کٹلاگ نمبر ۲۸۶۷)

(۲۰) معراج نامہ ــــ از سیّد بلاقی دکنی۔ مکتوبہ ۱۲۱۹ھ (۱۸۰۴ء۔ ۱۸۰۵ء) کاتب شیخ احمد نے نظم کے آخر میں اپنی پسند کے اور شعر اضافہ کیے ہیں۔ یہ کتاب ایک مجموعہ میں شامل ہے۔ جس میں ۱۳ متفرق مثنویاں اور غزلیں ہیں۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۶۹)

(۲۱) تزویج بی بی فاطمہ ــــ از بلاقی یا نظام الدّین یہ کتاب بھی متذکرہ بالا مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۲) کھوپری نامہ ــــ از نظام الدّین دکنی۔ یسوع مسیح کا ایک قِصّہ۔ یہ بھی متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔ ہیربلو (D.Herbelot) نے ایک کتاب قِصّۃُ الجمجمۃ کا ذکر کیا ہے جس میں یہی قصّہ بیان کیا گیا ہے۔

(۲۳) قصّہ دحیۂ کلبی ـ ایک صحابی کا قصّہ۔ ٹھیٹ دکنی زبان میں از عبیدی یا عابدی، آخر میں دو قصیدے بھی ہیں۔ مکتوبہ ۱۲۲۱ھ ۱۳ صفحات، یہ بھی متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۴) مردی کے احوال، یا مردی احوال ــــ ۸، صفحات کی مثنوی جِس کو دتاسی نے وحید دکنی کے نام سے منسوب کیا ہے۔ متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۵) قصّہ حضرت علی سیل۔ وحیدی دکنی مصنفہ ۱۲۱۸ھ اس کا اصل نام غالباً وہی ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانہ

کے نسخے پر لکھا ہے۔ یعنی قصّہ در احوال جان محمد حنیف مکتوبہ سنہ ۱۲۱۸ھ

۳۷ صفحات متذکرہ مجموعہ میں شامل ہیں۔

(۲۶) مجلس طفلی۔ یہ غالباً مرثیہ ہے ۲۲ صفحات۔ غمؔ نامی شاعر سے منسوب ہے جس کے متعلّق کوئی معلومات نہیں۔ متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۷) قِصّۂ چندر بدن و ماہیار۔ از میر حیدر شاہ دکنی ۳۱ صفحات اِس کا ایک نسخہ مہاراجہ چندو لال حیدر آباد کے کتب خانے میں تھا متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۸) تولدنامہ خاتون جنّت۔ مثنوی ۵۱ صفحات۔ نام مصنّف نامعلوم۔ متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۹) وفات نامہ خاتون جنّت۔ نظم، ۱۵ صفحات، نامِ مصنّف نامعلوم۔ متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۳۰) قصۂ ملکہ بادشاہ۔ نظم از محمد پیر دکنی۔ مصنف کہتا ہے کہ یہ کتاب فارسی کا ترجمہ ہے۔ دراصل اس یونانی ملکہ کا قصہ فارسی میں بھی موجود ہے جس کا ایک نسخہ پیرس کے قومی کتب خانے میں محفوظ ہے۔ ۴۴ صفحات، متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۳۱) قِصّہ ڈولی نامہ۔ مثنوی از شاہ محمد زماں یار دکنی، ۱۹ صفحات متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۳۲) قصّۂ ابوالفیض نوری۔ نظم۔ نہایت دلچسپ قصہ ہے

از خانی دکنی ۔ ۳۰ صفحات متذکرۂ مجموعہ میں شامل ہے ۔

(۳۳) قصۂ ماہ منور سوداگر بچہ وشمشاد بانو دختر فرنگی ۔ از دیدار دکنی نامکمل نسخہ ۲۲ صفحات ایک مجموعہ میں شامل ہے جس میں قصۂ رضواں شاہ فائز بھی داخل ہے (کٹلاگ نمبر ۲۸۷۰)

(۳۴) قصۂ رضواں شاہ از فائز دکنی ۱۶۸۳ء ۔ اشک نے اسی مضمون پر ایک قصہ نثر میں لکھا ہے ۔ ۲۰۲ صفحات متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے ۔

(۳۵) قصہ شیخ زا (ضیا ؟) دکنی میں ایک چھوٹی سی صوفیانہ مثنوی جو بحر رمل میں لکھی گئی ہے ۔ نسخہ نہایت بے احتیاطی سے نقل کیا گیا اور مارسل کے کتب خانے کی ملکیت ہے جو قومی کتب خانے (ببلیوتیک نیشنل) کا ناظم تھا (کٹلاگ نمبر ۲۸۷۴) ۔

(۳۶) گلشن عشق ـــ از نصرتی دکنی (۱۶۵۸) یہ نسخہ لیڈن کی ملکیت رہ چکا تھا ۔ مورخہ ۱۷۵۸ء از خط رمز علی چشتی ۲۹۸ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۷۶) ۔

(۳۷) کریما ۔ پندنامۂ سعدی ، فارسی ، معہ ترجمہ بزبان دکنی اردو ، ۳۳ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۸۸) ۔

(۳۸) جنگ نامہ سہراب ورستم ۔ شاہ نامہ کے ایک حصہ کا ترجمہ از منشی کاظم الدین دکنی ۔ سر ریوس شمنی ہوٹن کی ملکیت ۵۰۴ ورق (کٹلاگ نمبر ۲۸۹۱)

(۳۹) ترجمہ انوار سہیلی۔ بزبان دکنی۔ نام مصنّف نامعلوم نہایت خوش خط مخطوطہ مورخہ ۱۱۷۹ھ (۱۷۰۵ء) آدم کلارک کی ملکیت (کٹلاگ نمبر ۳۸۹۲)۔

(۴۰) ترجمہ انوار سہیلی۔ نہایت خوش خط نسخہ۔ ہنری شینڈلر (Henry Chandler.) کی ملکیت۔ حاشیہ پر انگریزی میں نوٹ ہیں۔ ۱۸۰ اوراق (کٹلاگ نمبر ۲۸۹۳)

(۴۱) دکنی غزلیں۔ چھوٹا خوب صورت مخطوطہ۔ دتاسی کو، موسیو ای، سسے (M.E. Sice.) نے دیا تھا۔ (کٹلاگ نمبر ۲۹۱۳)

(۴۲) ایک دکنی قصّہ۔ دتاسی کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا۔ ۵۱ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۹۱۵)

(۴۳) ایک دکنی قِصّہ۔ دتاسی کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا۔ نامِ مصنّف نامعلوم (کٹلاگ نمبر ۲۹۱۷)

(۴۴) ایک دکنی قِصّہ۔ دتاسی کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا۔ متذکرۂ بالا قصّہ کے ساتھ شامل ہے۔

(ب) قلمی اُردو تذکرے

۱۔ تذکرہ فتح علی حسینی گردیزی۔ ۱۱۵۳ھ (م ۱۷۴۰ء سنہ ۱۷۴۱ء) شمال اور دکن کے سو شاعروں کے حالات۔ کپتان ٹرویر (Troyer) نے ٹیپو سلطان کے ایک مخطوطے سے نقل کیا۔ خوش خط ۱۷۰ صفحات اس کی اور نقلیں ایسٹ انڈیا ہاؤس، اوسلے (Ousley) کلکشن

اور کتب خانہ وزیر نظام میں موجود ہیں (کٹلاگ نمبر ۲۹۴۱)

(۲) تذکرۂ شعرائے ہندی از غلام ہمدانی مصحفی (۱۷۶۰ء تا ۱۸۱۵ء) محمد شاہ کے عہد ۱۷۱۰ء سے ۱۷۸۳ء تک کے شاعروں کے حالات۔ فورٹ ولیم کے کتب خانے سے یہ نسخہ ۱۸۳۲ء میں نقل کیا گیا۔ ۱۵۴ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۹۳۸)

(۳) گلزار ابراہیم۔ تین سو ہندستانی شاعروں کا تذکرہ، مصنفہ علی ابراہیم امین الدولہ ناصر جنگ، یہ کام ۱۷۷۲ء میں شروع کیا گیا۔ اور ۱۷۸۳ء میں ختم ہوا۔ خط نسخ میں نہایت احتیاط کے ساتھ موسیو ٹروپر نے گارساں دتاسی کے لئے نقل کیا۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۱۰)

(۴) گلزار ابراہیم — از علی ابراہیم۔ خوش خط نستعلیق میں یہ نسخہ ٹرنر ماکن (Turner Macan.) ایڈیٹر "شاہ نامہ" کی ملکیت رہ چکا تھا۔ ۲۵۱ ورق (کٹلاگ نمبر ۲۸۱۱)

(۵) گلشن ہند۔ از مرزا علی لطف فرزند کاظم بیگ خاں مورخہ ۱۲۱۵ھ (م ۱۸۰۰ء۔ ۱۸۰۱ء) لطف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے کام کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ صرف پہلا حصّہ جو ساٹھ بڑے شاعروں پر مشتمل ہے مکمل ہے۔ دوسرا ختم نہیں ہوا۔

سید ذوالفقار علی تجلی نے بتاریخ ۱۲۲۳ھ (م ۱۸۳۷ - ۱۸۳۸ء) وزیر نظام حیدر آباد کے نسخے سے نقل کیا۔ دتاسی کو کرنل سٹوارڈ

(Steward) نے تحفہ دیا تھا۔ ۴۰۰ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۰۷)

(۶) مجموعۂ نغز۔ از ابوالقاسم دہلوی (۱۸۰۶-۱۸۰۷ء)
تقریباً آٹھ سو شاعروں کے حالات لکھے ہیں نہایت خوش خط مخطوطہ
918 اوراق، (کٹلاگ نمبر ۲۹۳۷)

(۷) عمدۂ منتخبہ - از میر محمد خاں اعظم الدولہ سرور ابن نواب
ابوالقاسم مظفرخاں بہادر، بارہ سو شاعروں کے حالات سنہ ۱۲۲۱ھ
(م سنہ ۱۸۰۶ء - سنہ ۱۸۰۷ء) نواب حسین علی خاں بہادر نے سنہ ۱۸۴۹ء میں
نقل کیا۔ ۴۷ صفحات، (کٹلاگ نمبر ۲۹۳۹)

(۸) دیوان جہاں - انتخاب کلام شعرائے ہند، از بینی نراین
لاہوری سنہ ۱۸۱۴ء۔ ٹی روبک (T. Robake) کے مشورے سے
یہ کام کیا گیا - مکتوبہ سنہ ۱۸۳۲ء (کٹلاگ نمبر ۲۸۰۸)

(۹) گلشن بے خار، از محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ مصنفۂ سنہ ۱۲۴۸ھ
سنہ ۱۲۵۰ھ (م سنہ ۱۸۳۲ء - سنہ ۱۸۳۴ء) چھ سو شاعروں کے حالات
یہ کتاب دہلی میں سنہ ۱۸۴۵ء میں شایع ہوئی - یہ مخطوطہ سنہ ۱۸۳۵ء میں
نہایت احتیاط کے ساتھ لکھا گیا، دتاسی کو متوفی بوتروس دہلوی نے
دیا تھا (کٹلاگ نمبر ۲۹۴۰)

(۱۰) نسخہ دل کشا -- یہ کتاب بابو راجندر لال مترا کے تذکرہ
شعراء کا دوسرا حصہ ہے - پہلا حصہ کلکتہ میں سنہ ۱۸۷۰ء میں شایع ہوا
۱۱۰ صفحات جس میں ہندستانی مصنفین پر ۵۸۷ مضامین ہیں۔

یہ دوسرا حصّہ اُن شعراء سے متعلق ہے جن کے نام حرفِ ٹ سے شروع ہوتے ہیں۔ بہت ہی خوش خط مخطوطہ (کٹلاگ نمبر ۲۸۰۹)

(۱۱) گلدستۂ حیدری ۔۔ مصنفہ حیدربخش حیدری۔ مصنف توتا کہانی یہ کتاب حیدری کی حسب ذیل تین کتابوں کا مجموعہ ہے :۔

۱۔ مجموعۂ تواریخ و سوانح۔

۲۔ دیوان۔

۳۔ شعرائے ہندستانی کا تذکرہ

یہ تیسری کتاب اگرچہ ترتیب کے لحاظ سے اچھّی ہے۔ لیکن مُصنّف نے اُسے تکمیل کو نہیں پہنچایا۔ مخطوطہ نہایت اچھی حالت میں ہے، اور خوش خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ ۳۶۳ ورق (کٹلاگ نمبر ۲۸۱۲)

(ج) اهم هندوستانی کتب خانوں کے مخطوطے

اس ضمیمے میں دتاسی کے اُن اُردو مخطوطوں کی فہرست درج ہے جو ہندستان کے قابل ذکر کتب خانوں یا اشخاص کی ملکیت تھے اور جو یا تو بجنسہٖ دتاسی کے یہاں پہنچ گئے یا جن کی نقلیں نہایت اہتمام کے ساتھ تیار کی گئی تھیں۔

۱۔ مُحمّد شاہ کا شہنشاہی کتب خانہ دهلی۔

دیوانِ ولی اورنگ آبادی، اعلیٰ درجہ کا خط۔ صحیح، اور بغیر تغیر و تبدل کے، ۲۳۲ صفحات (۲۸۲۶) یہ شاہی کتب خانے کا

اصلی نسخہ ہے۔

۲۔ حضور نظام حیدرآباد کا کتب خانہ :۔

"پنچھی باچھا" منطق الطیر کا دکنی ترجمہ از وجیہ الدین مصنفہ سنہ ۱۲۴ھ ۔ ۱۸۶ اوراق، نظام حیدرآباد کے کتب خانے سے غالباً موسیوسسے نے نقل کرایا (۲۸۶۷)۔

۳۔ حضور نظام کے وزیر کا کتب خانہ :۔

الف ۔ "دیوان افسوس" میر شیر علی افسوس کا اُردو دیوان شروع میں ایک فارسی مقدمہ ہے جس میں مصنّف کی سوانح عمری لکھی ہے خوشخط مخطوطہ ۔ ۴۲۲ صفحات فی صفحہ ۱۵ سطر، یہ وزیر نظام حیدرآباد کے کتب خانے کا اصلی نسخہ ہے (۲۸۱۶)۔

ب ۔ "گلشن ہند" از مرزا لطف مورخہ سنہ ۱۲۱۵ھ کاتب سید ذوالفقار علی تجلی بتاریخ سنہ ۱۲۳۳ھ غالباً کرنل اسٹیوارڈ نے وزیر نظام کے نسخے سے نقل کرایا اور دتاسی کو بطور تحفہ پیش کیا، ۴۰۰ صفحات (۲۸۰۷)

۴۔ ٹیپو سلطان بادشاہ میسور کا کتب خانہ:۔

"تذکرہ گردیزی" از فتح علی حسینی سنہ ۱۱۵۳ھ ۔ کپتان ٹروپر نے ٹیپو سلطان کے ایک نسخے سے نقل کرایا، خوش خط، ۱۷۰ صفحات اس کتاب کا ایک ایک نسخہ وزیر نظام حیدرآباد کے کتب خانے اور اوسلے کلکشن میں بھی موجود ہے (۲۹۸۱)۔

۵۔ مہاراجہ کالی کرشنا بہادر کے مخطوطے

الف ”قصۂ کامروپ“ از تحسین الدین، کاتب لکھتا ہے کہ وہ اس کو ۲۷ اگھن (نومبر۔ ڈسمبر) کو ختم کرتا ہے، مگر سنہ نہیں لکھا ہے یہ نسخہ خود مہاراجہ نے دتاسی کو تحفہ دیا تھا۔

(ب) ”مصدر فیوض“ اسی نام سے کتاب کا سنہ تصنیف بھی نکلتا ہے، از نذیر الدین حسن شیخ قریشی سنہ ۱۸۱۵ء۔ مصنف لکھتا ہے کہ یہ کتاب بریلی کے فارسی سیکھنے والوں کے لئے نواب احمد یار خاں ابن محمد ذوالفقار کی فرمائش پر لکھی گئی، مہاراجہ کالی کرشنا کے لئے سید محمد علی صاحب نے سنہ ۱۸۲۹ء میں نقل کیا۔ ۲۲۴ صفحات، یہ مہاراجہ کا اصل مخطوطہ ہے (۲۹۰۳)۔

۶۔ کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

”ترجمۂ تاریخ آسام“، ترجمہ میر بہادر علی حسینی سنہ ۱۸۰۵ء۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مخطوطے سے پرنسپ نے نقل کرایا اور دتاسی کو تحفہ دیا۔

(۷) فورٹ ولیم کالج کا کتب خانہ:۔

الف۔ ”قصۂ فیروز شاہ عاجز دکنی“ (دیکھو دکنی مخطوطے) یہ اصل مخطوطہ فورٹ ولیم کے کتب خانہ میں تھا۔ نہ معلوم دتاسی کے یہاں کس طرح پہنچ گیا (۲۸۰۴)۔

(ب) ”قصۂ کامروپ“، از تحسین الدین، موسیو ٹروپر سکرٹری ہندو کالج کلکتہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ کتب خانۂ فورٹ ولیم کے

ایک نایاب نسخے سے نقل کرایا (۲۸۵۴)

ج ۔ "قصہ یوسف زلیخا" از محمد امین دکنی (دیکھو دکنی مخطوطے) یہ مخطوطہ بھی ٹروپر کی فرمائش پر فورٹ ولیم کے اصل مخطوطے سے نہایت خوش خط نقل کیا گیا۔ ۲۹۹ صفحات (۲۸۸۱)

د ۔ "تذکرہ ہندی" از شیخ غلام ہمدانی مصحفی (دیکھو دتاسی کے اردو تذکرے) یہ نسخہ فورٹ ولیم کے کتب خانے کے مخطوطے سے ۱۸۳۸ء میں نقل کیا گیا۔ ۱۵۴ صفحات۔ (۲۹۳۸)

(۹)

دتاسی کے درس اور طریقہ تعلیم

دتاسی کی جماعتوں میں فرانسیسیوں کے ساتھ ساتھ انگریز اور دیگر اقوام کے تشنگانِ علم اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی کافی تعداد میں شریک ہوتے تھے اور ہر سال نئے نئے شاگردوں کے ساتھ پُرانے شاگرد بھی دوبارہ اس سے فیض حاصل کرنے کے لئے حاضر رہتے تھے ۔ خود دتاسی اپنے قدیم طلبہ کو اپنی جماعتوں میں دیکھ کر بڑا خوش ہوتا تھا ۔ ۴۔ ڈسمبر ۱۸۵۱ء کو جب اُس نے نئے تعلیمی سال کے آغاز میں افتتاحی تقریر کی تو سب سے پہلے اس نے اسی مسرت کا اظہار کیا ۔ وہ کہتا ہے :۔

"مجھے دلی مسرت ہے کہ اس تعلیمی سال کے افتتاح پر میں اپنے لکچروں میں اپنے نئے اور پُرانے شاگردوں کو دیکھتا ہوں ۔"

بعض دفعہ ایسے ہندوستانی لوگ بھی دتاسی کے درسوں میں شریک ہوتے تھے جو اعلیٰ تعلیم یا سیر سیاحت کی غرض سے اُس وقت تک یورپ جانے لگے تھے اور جب کبھی کوئی ہندستانی اِن درسوں میں شریک ہو جاتا تو دتاسی بڑا خوش ہوتا اور اس کو اپنے لئے اعزاز سمجھتا ۔ ۲رڈسمبر ۱۸۶۱ء کی افتتاحی تقریر میں اس نے کہا تھا کہ :۔

"پیرس میں بدستور ہندستانی درسوں میں لوگ آتے ہیں یہ سچ ہے کہ تعداد بہت زیادہ نہیں مگر جو آتے ہیں وہ عموماً اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ میرے درسوں میں بیرونی ممالک کے مشہور لوگوں میں سے جو کبھی تشریف لاکر مجھے سرفراز فرماتے ہیں، میں مہپت رام، روپ رام کا خاص طور پر ذکر کرونگا"

دتاسی اپنی جماعتوں میں اپنی مصنفہ یا مرتبہ کتابوں کے علاوہ ابتدا میں شکسپیئر کے مرتبہ "ہندستانی انتخابات" پڑھایا کرتا تھا اور بعد کو یعنے ۱۸۵۳ء سے "توتا کہانی" اور "باغ وبہار" پڑھانے لگا تھا۔ اس کی نسبت وہ خود ۲۹۔ نومبر ۱۸۵۳ء کو کہتا ہے:۔

"میں اپنے درسوں کے دوران میں کئی سال تک "ہندستانی انتخابات" پڑھاتا رہا ہوں۔ یہ عمدہ انتخاب فاضل مسٹر شکسپیئر کا کیا ہوا ہے۔ اور اُس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے کالجوں کے نصاب میں داخل تھا اب اس کی جگہ "طوطا کہانی" اور "باغ وبہار" رکھی گئی ہیں۔ اِس سال میں ان کتابوں کی تعلیم دوں گا، نہ صرف اُن انگریزوں کے فائدے کے خیال سے جو میرے لکچروں میں حاضر ہوتے ہیں بلکہ اس خیال سے کہ اُردو میں ان کتابوں کا

طرزِ تحریر نہایت پاکیزہ اور لطیف ہے"۔
چند سال بعد "طوطا کہانی" کی جگہ دتاسی نے تحسین الدّین کی کتاب "کامروپ" پڑھانی شروع کی۔ وہ اُردُو کی دکنی شاخ کو بھی کافی اہمیت دیتا تھا اور اس کی کتابوں کو بھی سبقاً سبقاً پڑھاتا تھا۔
۷، ۸ فروری ۱۸۶۱ء کی افتتاحی تقریر میں اس نے کہا کہ:۔

"میں اس سال "باغ و بہار" فارسی اور لاطینی ہردو رسم تحریر میں پڑھاؤں گا۔ یہ کتاب خالص اُردُو زبان میں لکھی گئی ہے۔ ساتھ ہی "کامروپ کے کارناموں" کی تحسین الدّین والے ایڈیشن سے تشریح کروں گا۔ یہ کتاب دکنی زبان میں ہے"

معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو دو، چار چار سال کے بعد وہ اپنے درس کی کتابیں تنوع اور تبدیلی کی خاطر بدل دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۱ء و ۱۸۵۲ء میں اس نے تاریخ شیرشاہ کو سبقاً سبقاً پڑھایا تھا۔ وہ ۵ دسمبر ۱۸۵۲ء کی افتتاحی تقریر میں کہتا ہے کہ:۔

"ہم اس سال شیرشاہ کی تاریخ کے اس حصہ کو ختم کریں گے جو گزشتہ سال شروع کیا گیا تھا"

گارساں دتاسی کا طریقہ تعلیم نہایت باضابطہ اور مفید تھا وہ پہلے تو ایک تقریر کے ذریعہ سے اپنے شاگردوں کو اُردُو کی نسبت عام اور جدید ترین معلومات بہم پہنچاتا تھا۔ اس کے بعد

جو کتاب سبقاً سبقاً پڑھائی ہوتی اس کی خصوصیات، اس کے مُصنّف کے حالات اور اُس کا خلاصہ ذہن نشین کرا دیتا۔ سال کے دوران میں جب وہ نثر پڑھاتا تو مشکل الفاظ کے معنی اور اشتقاق کی نسبت تفصیلی معلومات بخشتا اور ساتھ ہی قواعد و صرف و نحو سمجھا دیتا تھا۔ اسی طرح نظم پڑھاتے وقت عروض و بلاغت کو اس خوبی سے واضح کر دیتا کہ اس کے طالب علم اشعار کی تقطیع کرنے اور بحروں کے سمجھنے میں ماہر ہو جاتے تھے۔ ایک افتتاحی تقریر (۴ دسمبر ۱۸۵۱ء) میں اس نے اِس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ :-

> "میں مطالعہ کے دوران میں اس کا خیال رکھوں گا کہ آپ کو اوزان بتاتا جاؤں اور جن اصولوں کا بیان آپ کے سامنے کیا گیا ہے ان کے مطابق تقطیع کرتا جاؤں"

یعنے پہلے اصول سمجھا کر پھر موقع بموقع ان کو مثالوں کے ساتھ منطبق کر کے دکھلاتا تھا تاکہ طالب علم عملی طور پر اُردو شاعری کی بحروں اور وزن و قافیہ سے نہ صرف واقف ہو جائیں بلکہ اُردو اشعار کی تقطیع کرنا بھی سیکھ لیں۔

دتاسی کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس کے درسوں کے فیض یافتہ اصحاب میں اُردو ادب کی اعلیٰ مطبوعات کو پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔ وہ خود اپنے طریقۂ تعلیم کی

نسبت ۵ دسمبر ۱۸۵۲ء کی افتتاحی تقریر میں کہتا ہے :-

"حضرات ! مجھے امید ہے کہ میرے لکچر ہندستان
کی جدید زبان کے علمی اور ادبی مطبوعات کے
پڑھنے میں کافی طور پر رہنمائی کریں گے۔
میری تعلیم کا طریقہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں
تجزیہ کے اصول پر مبنی ہے۔ میں ہر لفظ کی تشریح
کرتا ہوں اور متن کے معنی و مطالب کے ساتھ
ساتھ نحوی قواعد پر بھی نظر ڈالتا جاتا ہوں۔ اور
ہر محاورے کا تجزیہ کرتا ہوں۔ میری دانست میں
یہی ایک طریقہ حقیقی اور صحیح ترقی کرنے کا ہے"

یہ عجیب بات ہے کہ آج سے تقریباً ایک صدی بیشتر ہی اُردو کے پہلے پروفسر نے اُردو کی تعلیم کا اتنا اچھا اور اصولی طریقہ اختیار کیا تھا۔

(۱۰)

دتاسی کے شاگرد

یوں تو سیکڑوں اصحاب نے گارساں دتاسی سے فیض حاصل کیا۔ اور اس کی روشن کی ہوئی شمع سے یورپ اور امریکہ اور خود ہندستان کے دور دراز کے علاقوں میں علم وفضل کی روشنی پھیلائی۔ لیکن اُن میں سے متعدد ایسے تھے جن کے علمی ذوق اور زبان اُردو کی خدمات کا خود گارساں دتاسی معترف تھا۔ اس کے درسوں اور صحبت کا سب سے بڑا اثر یہ ہوتا تھا کہ دوسروں میں بھی اُردو ادب اور ہندستانی معلومات سے دلچسپی پیدا ہو جاتی تھی۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کی بنا پر دتاسی کو اُردو کا اولین اور بہت کامیاب پروفیسر سمجھا جاتا ہے۔ اس سے قبل اور اس کے بعد بھی بیسیوں اصحاب مختلف مقامات پر اس منصب پر فائز ہوئے لیکن کسی نے اُردو کے ذوق کو عام کرنے اور اُردو کے خدمت گزاروں کی مستعد جماعت پیدا کرنے میں اتنی کامیابی حاصل نہ کی۔ اس خصوص میں ہندستان میں صرف وحید الدین سلیم نے اس کی ہمسری حاصل کی لیکن وہ بھی تصنیف وتالیف کے میدان میں دتاسی سے بہت پیچھے تھے۔

اپنے جن شاگردوں کی اُردو خدمات اور اُردو سے دلچسپی کا خود گارساں دتاسی نے کسی نہ کسی جگہ ذکر کیا ہے اُن میں سے بعض

یہ ہیں :-

۱- اسٹلے میجر ایم۔ ایس اسٹلے دتاسی کا انگریز شاگرد تھا اور اُردو میں اتنی قابلیت پیدا کرلی تھی کہ جب ۱۸۶۰ء کے اواخر میں کیمبرج یونیورسٹی میں پہلی بار اُردو کی پروفیسری قائم کی گئی تو اسٹلے، اور سرسیّد احمد خاں نے یہ عہدہ حاصل کرنے کوشش کی۔ لیکن ۲۸ نومبر ۱۸۶۰ء کو میجر جے، جی، اسٹیفن کا اس خدمت پر تقرر ہوگیا۔ گارساں دتاسی نے اپنے اس شاگرد اور اس کی اُردو لیاقت کا ذکر ۲ فروری ۱۸۶۱ء کی تقریر میں اس طرح کیا ہے:-

> " موصوف (اسٹلے) میرے لکچروں میں شریک رہ چکے ہیں اور ان کی بعض تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اُردو زبان پر کافی عبور حاصل ہے۔ ملاحظہ ہوں موصوف کے خطوط بنام لارڈ اسٹینلی جو انھوں نے اُردو زبان اور ادب کے متعلق لکھے ہیں اور جو مارننگ کرانیکل کے ۲۸ مارچ، ۱۲ اور ۲۵ اپریل ۱۸۵۹ء کے پرچوں میں شایع ہوے ہیں۔ "

۲- ابے باردلی Abbe Bardeli اطالیہ کا رہنے والا اور شہر پیزا (Pise) کا پادری تھا اور دتاسی کے بہت ہی قدیم شاگردوں میں شمار ہوتا تھا۔ اُس نے اپنے علم وفضل کی وجہ

سے کافی شہرت حاصل کی تھی۔ ۱۸۶۶ء میں انتقال کیا۔ دتاسی کو اپنے اس شاگرد پر فخر تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی تقریر (۳ر دسمبر ۱۸۶۶ء) میں اس کا اس طرح سے تذکرہ کیا ہے :۔

"موسیو مول (M. Mohl) نے پیرس کی ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک جلسہ میں ان علمی کارناموں کا مفصل ذکر کیا ہے جو میرے اس شاگرد (ابے بارولی) کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ موصوف مسیحی علم دین کے جید فاضل تھے اور نہایت وسیع ہمدردی کے شخص تھے۔ آپ ۱۸۴۳ء اور ۱۸۴۴ء میں میرے درسوں میں برابر شریک رہے اور گرم جوشی سے انہماک ظاہر کرتے رہے۔ آپ کو ایشیائی علوم وادب سے خاص شغف تھا اور آپ کی تحقیق فلسفیانہ اور لسانیاتی مباحث پر بھی حاوی تھی۔"

۳۔ بلاں (Bland) این، بلاں، فرانسیسی تھا اور ابتدا میں مشہور مستشرق اور ماہر اُردو ڈنکن فوربز سے فارسی اور اُردو کی تحصیل کی تھی۔ لندن کا بھی سفر کیا تھا۔ آخر کار ۱۸۶۶ء میں امبورلے بین (Hambourgles Bain) میں انتقال کیا جہاں وہ عزلت گزیں ہوگیا تھا۔ اُس کی لیاقت اور

مصروفیتوں کی نسبت دتاسی نے اس کی وفات کے بعد اپنی ۳ رڈسمبر ۱۸۶۶ء کی تقریر میں یہ الفاظ کہے تھے۔

"ابتدا میں انھوں نے ڈنکن فوربز کی شاگردی کی، اور فارسی اور اُردو کی تحصیل کی۔ اس کے بعد وہ میرے درسوں میں شریک رہے اور پھر کچھ دنوں کے لئے لندن چلے گئے تھے۔ ان کا بہت دنوں سے یہ ارادہ تھا کہ ادبِ فارسی کی ایک تاریخ لکھیں لیکن موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس خیال کو عمل میں لا سکتے۔ انھوں نے فارسی شعراء کے تذکرے "آتش کدہ" پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ میں نے اُنھیں سوداؔ کے قلمی نسخے کے بدلے میں دیا تھا۔ اس کے علاوہ نظامیؔ کی "مخزن الاسرار" کا ایڈیشن انہیں کی مساعی کا رہینِ منّت ہے۔ انھوں نے ہندستان کے سب سے قدیم شاعر، مسعود بن سعد کے کلام پر بھی تبصرہ لکھا ہے۔"

بلاں نے اپنے استاد دتاسی کو کلیات سوداؔ کا جو قلمی نسخہ دیا تھا وہ ۱۷۹۰ء کا مکتوبہ تھا اور دتاسی کے کتب خانہ کی فہرست میں اس کا نمبر ۲۸۱۷ ہے۔

۴۔ پاوی

موسیو، تومس، ایچ پاوی (M. H. Pavie)

دتاسی کا فرانسیسی شاگرد تھا اور ہندی میں ید طولیٰ حاصل کیا تھا۔ اس نے کرشن جی کے حالات سے متعلق ایک ہندی نظم کو فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ ۱۸۵۲ء میں شایع کیا تھا۔ یہ نظم اصل میں بھاگوت گیتا کے دسویں باب کے تتبع میں لکھی گئی تھی۔ دتاسی کو اپنے اس شاگرد پر بھی فخر تھا اس کی نسبت استاد نے ۵ ر دسمبر ۱۸۵۲ء کو کہا تھا:—

"ایک اور کتاب جو ہندی نظم میں ہے اور اسی دسویں باب کے تتبّع میں لکھی گئی ہے اور پریم ساگر سے بھی قدیم ہے فرانسیسی زبان سے حال میں موسیو توسس پادی نے طبع کرائی ہے (مجھے اس بات کا فخر ہے کہ موسیو موصوف میرے شاگردوں میں ہے) اس کا نام "کرشن جی اور ان کی تعلیم" ہے۔ اُسے یوجین بورنوف کی کتاب کا تتمہ سمجھنا چاہیئے۔"

۵۔ ٹامس | کاکبرن ٹامس۔ یہ بھی دتاسی کا شاگرد اور انگلستان کا باشندہ تھا۔ انگریز مستشرقین میں اس کو ایک خاص درجہ حاصل تھا مئی ۱۸۶۰ء میں وفات پائی۔ اُردو سے خاص شغف رکھتا تھا۔ اس کی نسبت دتاسی نے ۷ ر فروری ۱۸۶۱ء کے خطبے میں کہا تھا:—

"اس زبان سے خاصا لگاؤ تھا۔ ..... میرے درسوں میں بھی شرکت کی تھی۔"

۶۔ ریو | ڈاکٹر ریو۔ انگریز مستشرق تھا اور مشہور انگریز ماہرِ اُردو

ڈنکن فوربز کا فیض یافتہ۔ اس نے گارساں دتاسی کے درسوں سے بھی استفادہ کیا تھا۔ ۱۸۶۱ء میں باغ و بہار کا ایک ایڈیشن بڑی محنت اور کاوش سے مرتب کرکے شایع کرایا تھا۔ یونیورسٹی کالج لندن میں پروفیسر تھا۔ دتاسی نے اس کی شاگردی پر (۲ ڈسمبر ۱۸۶۱ء کو) ان الفاظ میں اظہار فخر کیا ہے:۔

"مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ وہ بھی میرے خطبات سُن چکے ہیں"

۷۔ ژاناں موسیو آندرے ژاناں۔ دتاسی کا سوئستانی شاگرد اور مشہور مستشرق تھا۔ ۵ رڈسمبر ۱۸۶۴ء کو اپنے اس قدیم شاگرد کے انتقال کی خبر دیتے وقت دتاسی نے اپنے نئے طلبہ کو ان الفاظ میں اس کی خدمات اور حالات سے متعارف کیا ہے:۔

"آپ میرے بہت قدیم شاگردوں میں سے تھے۔ آپ نے لسانیات پر متعدد تصانیف چھوڑی ہیں۔ آپ برابر نو مہینے فرش رہے۔ لیکن کبھی ایک حرف بھی اپنی تکلیف اور بیماری کے متعلق کسی دوست کے سامنے زبان سے نہیں نکالا۔ مرنے سے چند روز قبل جب آپ کو اس امر کا احساس ہوگیا تھا کہ اب وہ تھوڑے دنوں کے دنیا میں اور مہمان ہیں، آپ نے اپنی ایک نظم احباب کے لئے چھپوائی جس کا عُنوان

"قاصد کا چل چلاؤ" تھا۔ یہ نظم وہ اپنے احباب
کے لئے اپنی آخری یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ اس نظم میں
اُن کی دل کی حالت کا پتہ چلتا ہے۔"

دتاسی کے اس قدیم شاگرد نے ۱۷ اپریل ۱۸۶۷ء کو جنیوا (سوئٹزرلینڈ)
میں انتقال کیا۔

۸۔ سیسے۔ ای (E. Sice) پانڈیچری کا باشندہ جس کی مادری زبان تامل تھی
یہ دتاسی کا بڑا قدیم اور چہیتا شاگرد تھا اور ہندستان سے متعدد کتابیں روانہ کی تھیں جن
میں خزانۂ عبادت، خلاصۂ تاریخ نادرشاہ، پنچھی باچھا، اور سوال وجواب نامہ وغیرہ قابلِ ذکر
ہیں۔ سیسے ۱۸۴۴ء میں کاریکل میں جہاز کا افسر تھا اور کرومنڈل سے مالابار تک
بارہ سو میل کا سفر کرکے دتاسی کو مطلع کیا تھا کہ اس علاقہ میں ہر جگہ میں نے اُردو
میں بات چیت کی۔ وہ ۱۸۶۶ء میں پانڈیچری کا مددگار کمشنر مقرر ہوگیا تھا۔ اُردو کی
تحقیقات اور حمایت میں ہمیشہ اپنے استاد کا دست راست ثابت ہوا۔

۹۔ کار سیٹن (Seton Kars) دتاسی کا قدیم شاگرد جو ۱۸۶۶ء میں کلکتہ یونیورسٹی
کا وائس چانسلر تھا اور اپنے خطبۂ تقسیم اسناد میں دتاسی کے خیالات کی نمائندگی کی تھی۔

۱۰۔ کارٹر۔ ہنری کئی سال تک دتاسی کا شاگرد رہا۔ ۱۸۶۹ء میں رائل ایشیاٹک
سوسائٹی بمبئی کا معتمد اور اُردو کا بڑا حامی تھا ایک خط میں استاد کو لکھا تھا کہ "ایک
دن آنے والا ہے جب کہ اُردو سارے ہندستان کی مشترک زبان بن جائے گی۔"

دتاسی کے دوسرے مشہور شاگردوں میں لبے برتراں مرتب "کامروپ"
(A. Bertrand)
اور چارلس دشوا (Ch. d' Ochoa) کے نام بھی قابلِ ذکر ہیں۔

(۱۱)

اُردو کی اشاعت اور تائید

گارساں دتاسی صحیح معنوں میں اُردو کا پروفیسر تھا۔ اس نے اس زبان کی بہی خواہی کا ہر وہ کام کیا جو ایک مخلص پروفیسر کو کرنا چاہئے۔ نہ صرف اپنے طلبہ میں اُردو کا ذوق پیدا کیا، بلکہ ہمیشہ اس امر کی کوشش کی کہ مختلف مقامات میں اُردو کی درسگاہیں اور اُردو کی پروفیسری قائم کی جائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں میں اُردو کا ذوق پیدا ہو۔ لندن اور انگلستان کی دوسری قدیم یونیورسٹیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس نے ۲ فروری ۱۸۶۱ء کے خطبے میں اس امر پر زور دیا کہ آئرلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور امریکہ میں بھی اُردو کی پروفیسری قایم ہونی ضروری ہے۔ وہ کہتا ہے :۔

> "انگلستان کی قدیم ترین یونیورسٹیوں میں لندن میں اُردو زبان کی تعلیم کو ناگزیر سمجھ کر رائج کیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈبلن یونیورسٹی، اسکاچستان کی یونیورسٹیوں، اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں بھی اس کی طرف جلد توجہ کی جائے گی۔"

اسی طرح اُس نے اس امر کی بھی تحریک کی کہ انگلستان کی یونیورسٹیوں میں ہندستانیوں کو بھی اُردو پڑھانے کے لئے مقرر کرنا چاہئے تاکہ انگریز صحیح

اُردو تلفظ اور لب ولہجہ سے واقف ہو جائیں۔ اُس نے کہا:۔

"بہتر ہوگا اگر کیمبرج یا اکسفورڈ میں کہیں ایک ایسا
پروفسر رکھا جائے جو اُردو کا صحیح تلفظ اور تحریر و تقریر
کی مشق کرائے۔ جیسے کہ ہمارے ہاں (پیرس کے
مدرسۂ السنہ میں) ایک زمانے میں دتاسی کے ساتھ
مصری فاضل رفائل مونا شس اہل زبان ہونے کی
حیثیت سے عربی کا تلفظ وغیرہ سکھاتے تھے۔" (تقریر ۷ر فروری ۱۸۶۱ء)

دتاسی نے یورپ اور خاص کر انگلستان کے ان کتب خانوں اور ان کے نگران کاروں کا بھی موقع بہ موقع ذکر کیا ہے جہاں اُردو کتابیں اور قلمی نسخے محفوظ کئے جا رہے تھے۔ وہ ہر ایسی خبر سے خوش ہوتا تھا جس کا تعلق کسی نہ کسی طرح اُردو سے ہوتا۔ اُردو کتابوں کی اشاعت اور اخباروں کے اجرا کی جو اطلاع اُسے ہندستان سے ملتی اس کی خوشی میں اضافہ کے باعث بنتی ۱۸۶۰ء میں جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ ہر اُس انگریز کے لئے اُردو پڑھنا لازمی کر دیا گیا ہے جو فوجی ملازمت کے لئے ہندستان جانا چاہتا ہے تو دتاسی کو بے حد مسرت ہوئی۔ چنانچہ اس نے اپنے ۷ر فروری ۱۸۶۱ء کے خطبے میں بڑی خوشی سے اس کا اعلان کیا کہ:۔

یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ آئندہ سے ان انگریزوں
کے لئے جو ہندستانی افواج میں نوکری کرنا چاہتے ہیں
یہ لازمی قرار پایا ہے کہ اُردو کے تین اقتباسات جن سے

پہلے سے وہ واقف نہیں، انگریزی زبان میں ترجمہ کریں اس کے ساتھ ہی انھیں نظم ونثر کے متعلق کسی عبارت کا اُردو سے انگریزی اور انگریزی سے اُردو اور ہندی میں ترجمہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ ترجمہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہندستانی آدمی بھی اس کی عبارت کا مفہوم سمجھ سکے۔ اس امتحان میں کسی ایک انگریزی خط کا اُردو میں فی البدیہہ مطلب بھی دریافت کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی امتحاناً ہندستانیوں کے ساتھ اُردو زبان میں گفتگو کرائی جاتی ہے۔"

اسی طرح ۱۸۶۱ء میں جب دتاسی کو معلوم ہوا کہ ہندستان میں جگہ جگہ مقامی عدالتیں قایم کی جارہی ہیں تو اس نے انگریزوں کو توجہ دلائی کہ وہ قانون پڑھ کر ہندستان جائیں اور وکالت و بیرسٹری کے ذریعہ سے قسمت آزمائی کریں۔ لیکن اس ترغیب میں بھی اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ لوگ اُردو لکھنا پڑھنا سیکھیں چنانچہ ساتھ ہی بڑی خوبی کے ساتھ اس کی بھی تبلیغ کردی۔ وہ کہتا ہے:-

"ہندستان میں آج کل مقامی عدالتیں ہر جگہ قائم ہو رہی ہیں۔ ان نوجوان انگریزوں کے لئے جن کی اپنے وطن میں قدر نہیں یہ موقع ہے کہ وہ اس وقت ہندستان میں اپنی قسمت آزمائیں۔ لیکن اس سے پیشتر کہ وہ ہندستان جانے کا ارادہ کریں یہ ازبس ضروری ہے

کہ وہ دیسی لوگوں کی زبان کو مطالعہ کے ذریعے سیکھ لیں
انہیں ہندستانی لوگوں کے ان محاوروں کو جاننا چاہئے
جو ہر وقت گفتگو میں استعمال ہوتے ہیں۔"

۲۳ رجنوری ۱۸۶۸ء کو جب انڈین میل میں سیّد عبداللہ پروفیسر اُردو لندن یونیورسٹی، نے سر اسٹفورڈ نارتھ کوٹ (Sir Stafford North cote) کے نام ایک خط شایع کیا کہ "آئندہ سے حکومتِ ہند سول سروس کے مقابلہ کے امتحان میں ہندستان کی بعض مروّجہ اور زندہ زبانوں کو لازمی قرار دے" تو گارساں دتاسی نے اس کی پُرزور تائید کی اور سنسکرت اور عربی کے مقابلہ میں اُردو جاننے کے جو عملی فوائد ہیں ان کو واضح کیا۔ اُس نے اپنی ۷ر دسمبر ۱۸۶۸ء کی تقریر میں کہا کہ "میں سیّد عبداللہ کے اس خط کے مضمون کے ساتھ بالکل متفق ہوں" اور اس کے بیان کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی یوں تائید کرتا ہے کہ۔

"سیّد عبداللہ نے اپنے اس خط میں یہ خیال ظاہر کیا ہے
کہ سول سروس کے ہر امیدوار کے لئے یہ لازمی قرار دینا
چاہیے کہ وہ ملکی زبان میں پوری دسترس حاصل کرے۔
شکستہ تحریر باآسانی پڑھ سکے۔ اور اس زبان سے انگریزی
میں اور انگریزی سے اس زبان میں بخوبی توجمہ کر سکے۔
دراصل یہ تمام باتیں نہایت ضروری ہیں۔ چنانچہ نظماۓ
ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہیلی بری کالج کے طلبہ کے لئے
انھیں لازمی قرار دیا تھا۔"

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے اس قسم کے مباحث کے فوائد اور حکومت کو متوجہ کرتے رہنے کی ضرورت، جس طریقہ سے ظاہر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گارساں دتاسی اُردو کے حقوق کی حفاظت اور اس کی تائید کے لئے کس شدّت کے ساتھ کمربستہ رہتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ:-

"حکومت کو اس جانب توجہ دلاتے رہنا مفید ہے......
اس واسطے کہ ہندستانی ہی ملک کی مشترک زبان ہے اور جیساکہ میں بارہا پہلے بتاچکا ہوں اہلِ ہند کا ایک بڑا اور اہم طبقہ اس کے ذریعے اظہارِ خیال کرتا ہے۔ اور ملک کے طول و عرض میں اس کے بولنے اور سمجھنے والے ملتے ہیں۔ ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کو جو حکومت کی خدمت انجام دے رہے ہیں اس زبان کا سیکھنا ازبس ضروری ہے۔"

گارساں دتاسی اُردو اور ہندی دونوں کا یکساں ماہر تھا۔ اُس نے ابتداء ہی سے دونوں زبانوں سے متعلق کتابیں لکھیں۔ لیکن ان دونوں میں وہ اُردو کو ترجیح دیتا تھا اور انگریزوں کے اس رجحان کی مخالفت کرتا تھا جو ہندی کو اُردو کے مقابلے میں لاکھڑا کرتے کے لئے روز بروز شدّت پکڑتا جارہا تھا۔ اُس نے اپنی اکثر تقریروں میں اس رجحان کی مذمت کی۔ تقریباً پچاس سال کے تجربہ اور اُردو اور ہندی دونوں کی تعلیم و تعلّم نے اس کو اپنے ایقان میں پختہ بنا دیا تھا۔

چنانچہ وہ کسی مسئلہ میں اس شدّت اور آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرتا تھا جتنا کہ اُردوٗ کی تائید کے لئے کرتا۔ اس کی آخری تقریروں سے ایک (۲ر ڈسمبر ۱۸۶۷ء) میں اس نے اُردوٗ، ہندی جھگڑے کے ذکر میں علی الاعلان کہا کہ :-

"اُردوٗ نے ہندستان میں جو حیثیت قائم کرلی ہے وہ باقی رہے گی۔ وہ اگر چاہیں کہ لوگوں کو عربی اور فارسی الفاظ ترک کرنے پر آمادہ کریں تو اس میں بھی انھیں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے کہ اسلامی حکومت کے زمانے میں صدیوں سے جو الفاظ عام زبان پر چڑھ گئے ہیں وہ آسانی سے ترک نہیں کئے جاسکتے۔ ان کی کوشش بالکل ایسی ہوگی جیسے انگریزی فضلاء یہ فیصلہ کریں کہ ان کی قوم ان فرانسیسی الفاظ کا استعمال ترک کردے جو انگریزی زبان میں نارمن فتوحات کے بعد گھُل مل گئے ہیں۔"

اس بحث پر بطور نوٹ کے گارساں دتاسی لکھتا ہے کہ "۷ مئی ۱۸۶۷ء کے کلکتہ ریویو میں میری ناچیز رائے سے موافقت کا اظہار کیا گیا ہے جو میں نے کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے اس جلسہ کے متعلق ظاہر کی تھی جس میں اس پر بحث ہوئی تھی کہ آیا اُردوٗ کو زیادہ اہمیت حاصل ہے یا ہندی کو اس ریویو نے لکھا ہے کہ :-

"موسیو گارساں دتاسی نے اردو کی حمایت میں
جو اظہار خیال کیا ہے وہ ہمیں ٹھیک معلوم ہوتا ہے"

۴ر جولائی ۱۸۶۷ء کے "بمبئی پولا" میں میرے خیالات کو بنظر استحسان دیکھا گیا ہے۔" اس مذکورہ بالا تقریر کے سلسلہ میں گارسان دتاسی نے کہا:۔

"میں اور مسٹر بیمز (M. Beams) اردو کی حمایت
میں تنہا نہیں ہیں ...... ہم نہ اس کے قایل ہیں
کہ عربی، فارسی الفاظ اردو میں سے خارج کردئے
جائیں اور نہ ہم ہندی کو بے وجہ اردو پر فوقیت
دینا مناسب سمجھتے ہیں۔"

اس تقریر سے دو سال قبل ۴ر ڈسمبر ۱۸۶۵ء کا افتتاحی خطبہ شروع کرتے ہی اس نے اردو ہندی جھگڑے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ:۔

بہرنہج لوگوں کا خیال ہندستانی کی نسبت چاہے
کچھ بھی ہو لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ وہ
سارے ہندستان کی مشترک زبان بن گئی ہے۔
روز بروز اس کی جو ترقی ہو رہی ہے اس کی وجہ سے
وہ پورے دیس کی زبان کہی جاسکتی ہے۔ اس مسئلہ
کی نسبت کپتان ایچ مور (H. Moore) نے اپنی
رائے سے مجھے مطلع کیا ہے۔ موصوف مرکزی حکومت
میں ترجمان کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ کے الفاظ

یہ ہیں :-

اس زبان کے توسط سے لاکھوں اہل مشرق
تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ ریل کی وجہ سے جو اندرون
ملک میں ہزار میل کی مسافت پر پھیل گئی ہے اور
بھی ہندستان اور وسطِ ایشیا کے لوگوں کو ملنے جلنے
کا موقع ملا ہے۔ چنانچہ جب یہ لوگ ملتے ہیں تو ایک
مشترک زبان کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔
ہندستانی زبان اس مقصد کو بطریق احسن پورا کرتی
ہے۔ اس لئے کہ اس کی ساخت میں ہندی، فارسی
اور عربی کے عنصر شامل ہیں۔ اس زبان میں بدرجہ اتم
یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ہندو اور مسلمانوں
دونوں کے مقاصد کو پورا کرے۔

غرض کپتان مور کے خیالات بیان کرنے کے بعد دتاسی نے اس بحث
کی وضاحت کی ہے اور آخر میں پھر اسی موضوع کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔
جس کو وہ اپنا چہیتا موضوع کہتا ہے۔

"میں اب اپنے چہیتے موضوع کی طرف رجوع کرتا
ہوں یعنے اُردو کی ہندستان میں اہمیت"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اُردو کا کتنا دلدادہ تھا۔
دتاسی نے آج سے ستر سال قبل ہندستان کے اُردو و ہندی جھگڑے کی

نسبت، جو صحیح اندازہ قائم کیا تھا وہ آج کل کے بڑے بڑے حامیانِ اُردو کے لئے سبق آموز ہے اور سچ تو یہ ہے کہ کچھ عرصہ سے بعض اصحاب نے اس جھگڑے کی علمبرداری کر کے جو شہرت اور اہل اُردو کی جو ہمدردیاں حاصل کی ہیں وہ گارساں دتاسی ہی کی ان تحریروں کے مطالعے اور اس کے دلائل کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ عہدِ حاضر کا اُردو کا بڑے سے بڑا سیاس دمدبر بھی دتاسی ہی کا خوشہ چیں ہے۔ وہ اُردو کی تائید میں ایسی مدلل، ثقہ اور وزنی تحریریں لکھ گیا ہے جو ہمیشہ اُردو کی تائید اور مدافعت کرنے والوں کا مضبوط حربہ ثابت ہوں گی۔ اس نے اپنے ۶ر ڈسمبر ۱۸۶۹ء کے خطبہ میں کہا تھا۔

"یہ عجیب بات ہے کہ جس طرح آج کل یورپ میں ایک تحریک اُٹھی ہے جس کا نصب العین یہ ہے کہ پھر سے ازمنۂ وسطیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور ان زبانوں کو زندہ کیا جائے جواب بولیاں ہو کر رہ گئی ہیں اسی طرح ہندوستان میں بھی ازمنۂ وسطیٰ کو زندہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ...... ہندوستان میں بھی ازمنۂ وسطیٰ کی ادبیات کو قدر اور احترام کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ اِس وقت ہندی کی حیثیت بھی ایک بولی کی سی رہ گئی ہے جو ہر گاؤں میں الگ الگ طریقے سے بولی جاتی ہے چنانچہ ہندوؤں کی کوشش ہے کہ اُردو کی بجائے ہندی کو

فروغ دیا جائے۔ حالانکہ اُردو بہ نسبت
ہندی کے زیادہ شستہ ہے۔
لیکن ہندی ان کے نزدیک خالص ہندستان کی زبان
ہے اس واسطے کہ وہ سنسکرت سے نکلی ہے۔ ان کو
یہ نہیں سوجھتا کہ اُردو زبان میں فارسی اور عربی کی
ساری خوبیاں جمع ہوگئی ہیں۔ یہ دونوں زبانیں (فارسی
وعربی) اسلامی مشرق کی قابلِ احترام السنہ ہیں اور
دنیا کے تمام علماء فضلاء ان دونوں کو ہمیشہ سے
اسی نظر سے دیکھتے آئے ہیں۔"

اِس کے بعد دتاسی نے اہلِ اُردو اور اہلِ ہندی کے دلائل کا ایک
دوسرے سے مقابلہ کیا ہے اور آخر میں برطانوی حکومت کی حمایتِ ہندی کی
اس طرح تشریح کرتا ہے :-

"برطانوی حکومت اس تحریک کے موافق معلوم ہوتی ہے
حکومت کا خیال ہے کہ ہندی کی موافقت سے ہندو
لوگ خوش ہوجائیں گے اور چونکہ ہندستان کی آبادی
کی کثرت انہی پر مشتمل ہے اس لئے ہندی کی تائید
مُلکی مصالح پر مبنی ہے۔"

ہندی کی تائید میں انگریزی اخبارات میں جو اداریے اور مقالے شایع
ہوتے تھے اُن کا ذکر کرکے دتاسی نے اُن کی مخالفت کی ہے اور کہتا ہے کہ:-

"میرے خیال میں اس مقالہ میں ہندی کی تائید میں
جو استدلال پیش کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں اور جو دعوے
پیش کئے گئے ہیں ان پر بحث کی جا سکتی ہے لیکن
اس جگہ میں اُسے چھیڑنا نہیں چاہتا۔ اس مقالے میں
اُردو کے متعلق کم از کم یہ تو تسلیم کیا گیا ہے کہ اُس نے
ہندستان میں وہی حیثیت حاصل کر لی ہے جو فرانسیسی
زبان کو یورپ میں حاصل ہے۔ عدالتوں اور شہروں
میں اُردو بولی جاتی ہے۔ مصنفین اپنی کتابیں اسی
زبان میں تصنیف کرتے ہیں اور اسی کی غزلیں گائی
جاتی ہیں۔ اُردو کے ذریعے اہل ہند یوروپین لوگوں
سے گفتگو کرتے ہیں۔ غرض کہ اگر ان تمام امور کو
پیش نظر رکھا جائے تو اُردو کو ہندی پر
فضیلت حاصل رہتی ہے جسے
تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

غرض اسی طرح اُردو کی موافقت میں دتاسی نے طویل بحثیں کی ہیں جو اس خطبے کے کئی صفحات پر مشتمل ہیں اور دوسری تقریروں میں بھی جگہ جگہ اس قسم کی بحثیں اور دلیلیں نظر سے گذرتی ہیں۔ چونکہ اُس کے خطبات کے اُردو تراجم شایع ہو چکے ہیں اس لئے یہاں مزید مثالوں کی ضرورت نہیں۔

---

(۱۲)

یورپ کی اُردو درس گاہیں

دتاسی کو اُردو سے جو غیر معمولی شغف تھا اس کا ایک ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ وہ یورپ کی اُن تمام درس گاہوں کے معاملات میں ذاتی دلچسپی لیتا تھا جہاں اُردو پڑھائی جاتی تھی۔ وہ ان کے نصاب، طریقۂ تعلیم، اساتذہ اور ہر طرح کے تغیر و تبدل سے ہمیشہ باخبر رہتا اور ہر سال اپنی افتتاحی تقریر میں ان کی نسبت اپنے طلبہ کو معلومات فراہم کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا۔

گزشتہ عنوان کے تحت یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ یورپ اور خاص کر انگلستان کی اکثر جامعات میں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہونے کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر ایسی خبر کا خیر مقدم کرتا تھا۔

اواخر ۱۸۶۰ء میں جب انگلستان کی قدیم جامعہ کیمبرج میں اُردو کی پروفیسری قائم کی گئی تو وہ بے حد خوش ہوا اور اوائل ۱۸۶۱ء میں اپنی تقریر میں اعلان کیا کہ:-

> "کیمبرج میں بھی اس (اُردو) کی پروفیسری قائم کر دی
> گئی ہے اور اس کے لئے گزشتہ ۲۸ر نومبر کو
> میجر اسٹیفن نامزد کئے گئے۔"

اسی زمانے میں وولچ (Wool Wich.) کی شاہی فوجی اکیڈیمی میں اُردو کا پروفیسر مقرر کرنے کی تجویز درپیش تھی جس کا ذکر دتاسی نے ان

الفاظ میں کیا ہے :-

"وولچ کی شاہی فوجی اکیڈیمی میں اُردو کا پروفسر مقرر کرنے نیز اڈسکومب کمپنی کے انڈیا کالج کو اس کے ساتھ ملحق کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔"

۱۸۶۱ء سے قبل جب اڈسکومب (Addiscombe) اور اس سے پیشتر ہی ہیلیبری (Haileburry) کی درسگاہیں بند کردی گئیں تو دتاسی اس واقعہ سے متاثر ہوا۔ کیونکہ ان درسگاہوں میں اُردو پڑھائی جاتی تھی۔ تاہم وہ اس خیال سے مطمئن تھا کہ کم از کم وولچ (Wool.wich) کی درس گاہ تو باقی ہے جس میں اُردو کی تعلیم پانے کے خواہشمند شریک ہوسکیں گے اس واقعہ کا ذکر دتاسی نے اپنی تقریر مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۶۱ء میں اس طرح کیا ہے:-

ہیلیبری اور اڈسکومب کی درس گاہوں کے بند ہونے سے میری دانست میں ہندستانی زبان کے شوقِ مطالعہ کو کوئی صدمہ نہیں پہنچیگا۔ میں جس زمانے میں اپنے درس پیرس میں شروع کرتا ہوں، اُسی زمانے میں وولچ کی فوجی اکیڈیمی کے طلبہ بھی اپنا اُردو کا درس شروع کرتے کرتے ہیں۔ اب ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدرسے کے طلبہ وولچ کے مدرسے میں داخل ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کی تعلیم دوسرے طلبہ سے مختلف ہے۔ چونکہ بعد میں اُن کا ارادہ ہندستان میں فوجی خدمات پر جانے کا ہوتا ہے

اس لئے خاص طور پر ان کے لئے علیحدہ استاد مقرر
کئے جاتے ہیں جو انھیں اردو اور دوسری مشرقی زبانیں
سکھاتے ہیں جن کی انھیں آئندہ زندگی میں ضرورت
پڑے گی۔"

ہیلیبری کے کالج کے بند ہو جانے کے بعد وولیچ کی فوجی اکیڈمی میں اردو کی تعلیم ہوتی تھی۔ لیکن یہ کافی نہیں سمجھی گئی۔ اس لئے ۱۸۶۲ء میں کنگز کالج لندن (Kings College) میں اردو کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ اس واقعہ کا ذکر دتاسی نے بڑی طمانیت کے ساتھ کیا ہے اور توقع ظاہر کی ہے کہ جس طرح ہیلیبری کالج کے فیض یافتوں نے بڑا نام پیدا کیا اسی طرح کنگز کالج کے اردو تعلیم یافتہ بھی شہرت اور نیک نامی حاصل کریں گے۔ وہ یکم دسمبر ۱۸۶۲ء کی تقریر میں کہتا ہے کہ:-

"اب لندن کے کنگز کالج میں مشرقی علوم کا ایک علیحدہ
شعبہ قائم ہوا ہے۔ ہیلیبری کالج کی تعلیم سے فارغ
ہونے کے بعد متعدد اشخاص نے ملکی نظم و نسق اور
علم و فضل میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ امید ہے کہ وہی روایات
اب بھی قائم رہیں گی۔"

۱۸۶۱ء کے اوائل میں دتاسی نے جو خطبہ دیا تھا اس میں ڈبلن یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی تھی۔ لیکن اس اثناء میں اسے معلوم ہوا کہ وہاں ۱۸۵۶ء سے اردو کی تعلیم شروع ہو گئی ہے تو اس نے یکم دسمبر ۱۸۶۲ء

کی تقریر میں کہا تھا :-

میں اپنے پچھلے خطبوں میں ذکر کر چکا ہوں کہ آکسفورڈ
اور کیمبرج میں بھی اُردو کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے
۱۸۵۶ء میں ڈبلن یونیورسٹی میں بھی اُردو، فارسی اور
عربی کی تعلیم شروع ہو گئی ہے۔ لندن کے یونیورسٹی
کالج کی طرح ڈبلن میں بھی ایک ہندستانی عالم مولوی
اولاد علی ان زبانوں کی تعلیم دینے مقرر کئے گئے ہیں۔"

اس تقریر سے ایک سال قبل دتاسی نے اپنے شاگردوں کو بڑی مسرت سے یہ خوش خبری سنائی تھی کہ "خود انگلستان میں اُردو زبان کا چرچا روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اس لئے کہ اس زبان کی اہمیت کا لوگوں کو احساس ہوتا جاتا ہے اکسفورڈ یونیورسٹی میں اُردو کی مسند قائم ہو گئی ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ اس زبان کی تحقیق کی طرف توجہ کی جائے۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکسفورڈ میں صرف معمولی تعلیم ہی نہیں بلکہ اُردو کی نسبت اعلیٰ علمی تحقیقات کا بھی انتظام اتنے قدیم زمانے میں یعنے آج سے اسّی سال قبل کیا گیا تھا۔

دتاسی کی ایک تقریر مورخہ ۲ر ڈسمبر ۱۸۶۱ء سے ایک اور اُردو درس گاہ کا پتہ چلتا ہے۔ جو چلیتھم میں تھی اور جس کا تعلق وہاں کے انڈین ڈپو سے تھا۔ ہیلیبری کے ایسٹ انڈیا کالج کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے یہ درس گاہ ۱۴ر ڈسمبر ۱۸۵۷ء کو قطعی طور پر مسدود کر دی گئی تھی۔ "یہ کالج پچاس سال سے

قایم تھا اور اس میں سے ۳۰۵۵ تلانذہ فارغ ہو کر نکلے جن میں ایسے افراد بھی ہیں جن کی شہرت یورپ بھر میں ہے،، دتاسی کو اس کی مسدودی کا صدمہ ہوا تھا۔ لیکن جیسا کہ اس کا خیال تھا اس کالج کی مسدودی سے مشرقی علوم کی تحصیل میں کمی واقع ہوئی اور انگریزوں نے بھی اس کو محسوس کیا۔
دتاسی نے اس واقعہ کو ۵ مئی ۱۸۵۹ء کی تقریر میں اس طرح ظاہر کیا ہے:۔

"ہیلیبری کالج کی مسدودی سے جو نقصان مشرقی علوم کی تحصیل میں واقع ہوا ہے اب اُسے محسوس کیا جارہا ہے۔ توقع ہے کہ انڈیا کونسل، جدید کالج اُن نوجوانوں کے لئے قائم کرے گی جو انڈین سول سروس کے لئے نامزد کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس نے ایڈسکومب کا رائل ملٹری کالج فوجی خدمات کے لئے ایسے تغیرات کے ساتھ برقرار رکھا ہے جو دوران تعلیم میں ہندستانی کو عام زبان کی حیثیت سے برقرار رکھنے میں معاون ہوں۔"

اسی سلسلہ میں دتاسی نے انگلستان کے ایک اور کالج کا ذکر کیا ہے جہاں ۱۸۶۰ء سے اردو زبان کی تعلیم کا عام انتظام کیا جانے والا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ:۔

"سینڈھرسٹ (Sandhurst) کے رائل ملٹری کالج میں بھی ہندستانی زبان پڑھائی جائے گی

اور سنہ ۱۸۶۰ء میں اس کا دروازہ بلا امتیاز خواہشمندوں کے لئے کھول دیا جائے گا۔"

دتاسی کی تقریر سے ایک اور درس گاہ کا بھی پتہ چلتا ہے جہاں غدر ۱۸۵۷ء سے قبل سالہا سال تک اُردو کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ چلٹنہم کالج تھا جہاں کپتان اڈم گورڈن کئی سال تک اُردو پڑھانے کے بعد مئی سنہ ۱۸۵۷ء میں انتقال کر گیا۔

غرض دتاسی نے متعدد ایسی درسگاہوں کی نسبت ہمارے لئے قیمتی معلومات فراہم کر دی ہیں جہاں آج سے تقریباً سو سال قبل اُردو کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان سب میں دس درس گاہیں بہت اہم تھیں۔ جن کے نام حروف ہجا کی ترتیب کے لحاظ سے ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

۱۔ اڈسکومب رائل ملٹری کالج
۲۔ اکسفورڈ یونیورسٹی
۳۔ چلٹن ہیم کالج
۴۔ چتیھم انڈین ڈپو
۵۔ ڈبلن یونیورسٹی
۶۔ سینڈھرسٹ رائل ملٹری کالج
۷۔ کیمبرج یونیورسٹی
۸۔ لنڈن یونیورسٹی (کنگز کالج۔ یونیورسٹی کالج)
۹۔ وولچ رائل ملٹری اکیڈیمی
۱۰۔ ہیلیبری ایسٹ انڈیا کالج

ان سب درس گاہوں کی نسبت گزشتہ صفحات میں اجمالی معلومات درج کر دی گئی ہیں۔

(۱۳)

دتاسی کے زمانہ کے دوسرے اردو پروفیسر

دتاسی کے زمانہ کی یورپ کی اُردو درس گاہوں کے تذکرہ کے بعد ضروری ہے کہ اس کے ہمعصر اُردو کے پروفیسروں کا بھی کچھ حال لکھا جائے۔ دتاسی اُردو کا عاشق تھا لیکن ایسا عاشق نہیں کہ اس کے دوسرے چاہنے والوں کو اپنا رقیب سمجھ کر اُن سے رشک یا حسد کرنے لگے۔ بلکہ اُس کے نزدیک ہر اُس شخص کی اہمیت تھی جس کو اُردو سے کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ان تمام اصحاب سے تعلقات اور مراسم پیدا کئے جو اُردو سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ہندستان کے اکثر اُردو کے خیر خواہوں اور عالموں سے اس کی مراسلت اور غائبانہ دوستی تھی اور یورپ میں بھی جہاں جہاں اُردو داں اصحاب موجود تھے وہ اُن سے واقف تھا۔ لیکن یہاں ہم صرف ان اصحاب میں سے چند کے مجمل حالات درج کرتے ہیں جو دتاسی کے زمانہ میں یورپ کی مختلف درس گاہوں میں اُردو کی تعلیم پر مامور رہے اور جن میں سے اکثروں سے دتاسی کے ذاتی مراسم تھے۔

جن اساتذۂ اُردو کے حالات آئندہ صفحات میں درج ہیں اُن کے نام بلحاظ ترتیب حروف یہ ہیں :-

۱- اسٹیفن ۲- اُلمان ۳- اولاد علی ۴- باؤش

۵- بلین ٹائن ۶- چیمبرس ۷- روجرس ۸- رولینڈسن
۹- سید احمد ۱۰- سید عبداللہ ۱۱- شیکسپیر ۱۲- گورڈن
۱۳- ماتھر ۱۴- ہاٹن ۱۵- ہال

۱- اسٹیفن - میجر جے - جی - اسٹیفن (J.G. Stephen) جب
اواخر ۱۸۶۰ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں اُردو کی پروفسری قائم کی گئی تو اس جگہ
کے لئے کئی اصحاب نے کوششیں کیں جن میں گارساں دتاسی کے شاگرد
میجر ایم، ایس، اسٹلے، سید احمد (جو اس وقت لندن کے یونیورسٹی کالج
میں اُردو کے پروفسر تھے) اور جے - جی اسٹیفن قابل ذکر ہیں - لیکن اول الذکر
دونوں ناکام رہے اور ۲۸ر نومبر ۱۸۶۰ء کو اسٹیفن کا تقرر کیا گیا -

۲- اُلمان - جے - ایف (Rev. J.F Ullman) پادری اور مستشرق
تھے - شمالی پریسبٹیرین امریکی مشن سے تعلق تھا - اٹاوہ میں عرصہ تک قیام کیا - ۱۸۶۵ء
ہندستانی دعاؤں کا ایک مجموعہ مرتب کر کے شایع کیا - یہ دعائیں بعض اُردو ہی
میں لکھی گئی تھیں اور بعض انگریزی اور جرمن دعاؤں کا ترجمہ تھیں - ۱۸۶۶ء میں جب
لندن کے یونیورسٹی کالج کی اُردو پروفسری سے سید عبداللہ مستعفی ہو گئے تو
اُن کی جگہ اُلمان کا تقرر کیا گیا - یہ ہندی کے بھی ماہر تھے اور اسی وجہ سے ان کا
انتخاب کیا گیا کیونکہ اس وقت انگریزوں نے اُردو کے ساتھ ساتھ ہندی کی ترویج
اور اہمیت پر بھی زور دینا شروع کر دیا تھا - اُلمان نے انجیل مقدس کا ہندی میں
ترجمہ بھی کیا تھا -

۳ - **اولاد علی** - مولوی میر - اُردو، فارسی اور عربی کے عالم تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر ڈبلن یونیورسٹی میں ۱۸۵۶ء میں اُردو کے پروفیسر مقرر کئے گئے اور دس بارہ سال تک یہ خدمت انجام دی - چنانچہ ۱۸۶۹ء میں بھی وہی اس خدمت پر مامور تھے اور جس زمانہ میں سر سید احمد خان نے یورپ کا سفر کیا تھا اولاد علی ہندستان آئے تھے تاکہ بقول دتاسی "لوگوں کو تمدن جدید کی برکات سے آگاہ کریں اور اخبار بینی کا شوق پیدا کرائیں۔"

میر اولاد علی شاعر بھی تھے۔ تیر تخلص تھا۔ دتاسی نے ۱۸۶۴ء کے خطبہ میں اُن کی غزلوں کا ذکر کیا ہے۔

۴ - **باؤلس** - مسٹر - رچرڈ ہاٹن اور سر گریوس ہاٹن کے ہمشیر زادے تھے اور رچرڈ ہاٹن کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی کالج موقوعہ اڈسکومب میں ۱۸۳۲ء کے بعد اُردو کی پروفسری کی خدمت پر فائز ہوئے تھے۔ اُن کے مستعفی ہو جانے پر کرنل رولینڈسن اُن کے جانشین ہوئے تھے۔ دتاسی نے مئی ۱۸۵۹ء کی تقریر میں اُن کی پروفسری کا ذکر کیا ہے۔

۵ - **بیلین ٹائن** - ڈاکٹر جمیس آر بیلین ٹائن - جیمز میکل بیلن ٹائن کے بھتیجے اور اُردو، ہندی اور سنسکرت کے بہت بڑے فاضل تھے۔ ہندی اور بھاشا کی صرف و نحو پر ایک کتاب لکھی تھی جو ایلی منٹس آف ہندی اینڈ بھاکا گرامر (Elements of Hindi & Bhaka Grammar) کے نام سے شایع ہوئی۔ دوسری کتاب اردو صرف و نحو

Hindustani Grammar And Exercises.

پر لکھی گئی تھی جو اتنی مقبول ہوئی کہ ۱۸۶۴ء تک اس کے دو ایڈیشن شایع ہوچکے تھے۔ نیز ۱۔ منتخبات ہندستانی اور ۲۔ شکستہ و نستعلیق خط میں مطبوعہ خطوط۔ اور انگریزی سے ہندستانی اور فارسی میں ترجمہ کرنے کے طریقے اور مثالیں (پرکٹیکل اورنیٹل انٹر پریٹر)۔ بیلن ٹائن کی یہ تین کتابیں بھی اُردو سکھانے کے لئے اس زمانہ میں بڑی مددگار ثابت ہوئیں۔ بیلن ٹائن کے مشورے سے صوبہ شمال مغربی کی حکومت نے سنسکرت کتابوں کے ہندی ترجمے چھپوائے تھے جن میں سے ایک کتاب ہتوپدیش مترجمہ پنڈت بدری لال دتاسی کے یہاں بھی تھی۔

ڈاکٹر بیلن ٹائن بہت نوجوان تھے جب ایڈنبرا کی نوجی دیجری اکیڈمی میں اُردو زبان کے پروفسر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد کئی سال تک انھوں نے ہندستان میں بنارس کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے کام کیا اس کے بعد کنگز کالج لندن میں سنسکرت کے پروفسر، پھر ایسٹ انڈیا ہاوز لندن کے کتب خانے کے ناظم مقرر ہوئے۔ آخر زمانہ میں وہ سنسکرت کی تحقیقات کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اور موت سے قبل پانینی کی صرف ونحو کی شرح "مہا بھاشیا" کی اشاعت میں مشغول تھے۔ جس کو وہ چار جلدوں میں شایع کرنا چاہتے تھے لیکن صرف ایک ہی شایع کرسکے جو لمبی تقطیع کے ۸۵۰ صفحات پر مشتمل تھی اور جس کی طباعت کے اخراجات حکومت ہند کی جانب سے دئے گئے۔

ڈاکٹر بیلن ٹائن نے ۱۶ار فروری ۱۸۶۴ء کو وفات پائی اور دتاسی نے

اسی سال کے خطبے میں ان کی خدمات پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ ۱۸۶۱ء کے خطبے میں اس نے لکھا تھا کہ "علوم سنسکرت میں موصوف کی معلومات اپنے پیش رو ون ولکنس اور ولسن سے کسی لحاظ سے کم نہیں ہیں"۔

۶۔ چیمبرس۔ جے (J.Chambers)۔ جب ۱۸۶۱ء میں اُردو کی پروفیسری انگلستان کی مشہور جامعہ اکسفورڈ میں قائم ہوئی تو اس پر چیمبرس ہی کا تقرر کیا گیا تھا اور ۷ رفروری ۱۸۶۱ء کو جب گارساں دتاسی نے اپنا افتتاحی خطبہ سنایا تو اس وقت یہ اُردو کے پروفیسر تھے۔ دتاسی نے اُن کی نسبت اس تقریر میں کہا تھا:-

> "اکسفورڈ میں اُردو کی مسند قائم ہو گئی ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ اس زبان کی تحقیق کی طرف توجہ کی جائے۔ چنانچہ جے۔ چیمبرس اس جگہ پر آج کل رونق افروز ہیں"۔

۷۔ روجرس۔ ای، ایچ (E.H.Rogers)۔ اُردو کے عالم تھے اور ایک کتاب "اُردو کیونکر بولیں (HowtoSpeek Hindoustni) ۱۸۶۱ء میں لکھی تھی۔ جس کی نسبت دتاسی کی رائے تھی کہ "یہ کتاب نہ صرف فوجی لوگوں کے لئے بے حد مفید ہے جن کے لئے خاص طور پر یہ تصنیف کی گئی ہے بلکہ ان انگریز بیرسٹروں کے لئے بھی نہایت کارآمد ہے جن کا ارادہ ہندستان میں وکالت کرنے کا ہے"۔

روجر پہلے لارنس اسیلم (Lawrence Asylem) کے ناظم

تھے اور ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۱ء میں چیتھم کے انڈین ڈپو میں اُردو کے پروفیسر کی خدمت انجام دے رہے تھے چنانچہ دتاسی نے ۲ ڈسمبر ۱۸۶۱ء کی تقریر میں ان کا ذکر کیا ہے۔

۸۔ رولینڈسن۔ کرنل (Col. Rowlandson.) مسٹر باؤلس (دیکھو نمبر (۳)) کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی کالج موقوعہ اڈسکومب میں اُردو کے پروفیسر مقرر ہوئے اور ۱۸۵۹ء میں بھی اسی خدمت پر فائز تھے چنانچہ اس سال ۵ مئی کو دتاسی نے جو افتتاحی خطبہ پڑھا تھا اس میں اُن کا ذکر کیا ہے۔

۹۔ سید احمد۔ ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۱ء میں لندن یونیورسٹی کالج میں ایف فال کونر کی جگہ اُردو کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور جب ۱۸۶۰ء میں کیمبرج میں اُردو کی پروفیسری قائم ہوئی تو وہاں بھی اپنے تقرر کے لئے کوشش کی تھی لیکن ناکامی ہوئی اور میجر اسٹیفن کا تقرر کر دیا گیا۔ دتاسی نے ۷ فروری ۱۸۶۱ء کی تقریر میں ان کا ذکر کیا ہے۔

۱۰۔ سید عبداللہ۔ میر سید محمد خاں بہادر لکھنوی کے فرزند تھے جو ۱۸۲۰ء میں دکن میں نائب مجسٹریٹ اور کلکٹر تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں کی بڑی مدد کی جس کی وجہ سے خطاب اور پنشن حاصل کی تھی۔ سید عبداللہ کو ۱۸۳۹ء میں جبل پور کالج میں شریک کر کے انگریزی تعلیم دلائی۔ ۳۰ نومبر ۱۸۶۷ء میں انتقال کیا۔ ان کے فرزند سید عبداللہ لندن یونیورسٹی میں اُردو کے پروفیسر تھے غالباً سید احمد کے بعد ان ہی کا تقرر کیا گیا تھا۔ وہ کئی سال تک اور خاص کر ۱۸۶۴ء اور ۱۸۶۶ء کے درمیانی زمانہ میں اس منصب پر فائز رہے۔ آخر کار

۱۸۶۶ء میں مستعفی ہوگئے اور ان کی جگہ یونیورسٹی کالج لندن میں ریورنڈ الٹمان اُردو کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ سید عبداللہ ایک اچھے اور بافیض استاد تھے اور اپنے تلامذہ میں اُردو زبان کا صحیح ذوق پیدا کردیتے تھے۔ چنانچہ ان کے ایک شاگرد ایڈورڈ ہنری پامر صرف ۲۴ سال کی عمر میں اُردو کے اچھے ماہر ہوگئے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس زبان میں مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔ "اودھ اخبار" (مرتبہ شیو پرشاد) کی ۲۱ رمئی ۱۸۶۷ء کی اشاعت میں ان کا ایک مضمون "شفیلڈ کی طغیانی" کے متعلق چھپا تھا جس پر تبصرہ کرتے ہوئے گارساں دتاسی نے ۵ دسمبر کی تقریر میں کہا کہ:-

> "آپ نے چوبیس[۲۴] سال کی عمر میں ہندستانی زبان میں ایسی مہارت حاصل کرلی ہے کہ باید وشاید۔ یہ سید عبداللہ پروفیسر ہندستانی لندن یونیورسٹی کے فیض صحبت کا اثر ہے۔"

پروفیسر عبداللہ نے پامر کو اُردو بول چال اور لب ولہجہ سے بھی اتنا واقف کرادیا تھا کہ گارساں دتاسی کا خیال ہے کہ "اگر اُن کا رنگ اس قدر گورا نہ ہوتا اور انگریزوں کا سانام نہ ہوتا تو انھیں ہندستانی مسلمان کہنے میں کوئی شخص مطلق تامل نہ کرتا۔"

دتاسی کے علاوہ آگرہ کے ایک فاضل مردان علی خاں اور اخبار عالم میرٹھ کے ایڈیٹر محمد وجاہت علی، اور ڈبلن یونیورسٹی کے اُردو پروفیسر میر اولاد علی نے بھی پروفیسر سید عبداللہ کے اس شاگرد کی بڑی تعریف کی ہے۔ اول الذکر

نے تو ۱۷ جون ۱۸۶۴ء کے اودھ اخبار میں یہاں تک لکھ دیا کہ :-

"میں نے کسی یوروپین کو آج تک ہندستانی زبان میں ایسا کمال حاصل کرتے نہیں دیکھا جو مسٹر پامر نے حاصل کیا ہے۔ .... اس لئے اور بھی زیادہ قابل تعریف ومبارکباد ہیں کہ انگلستان کے اندر رہ کر انھوں نے تھوڑے ہی دنوں میں ہندستانی زبان پر ایسی قدرت حاصل کر لی جو ان کے ہزارہا اہل وطن باوجود پوری کوشش کے حاصل نہ کر سکے۔ .... موصوف کے مضمون کو دیکھ کر میں تو دنگ رہ گیا۔"

پروفسر سید عبداللہ نہ صرف اُردو کی تعلیم دیتے تھے بلکہ دتاسی کی طرح ہمیشہ اُردو کی حمایت کے لئے کمربستہ رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۸ء میں انھوں نے اُردو کی حمایت میں ایک خط سر اسٹفورد نارتھ کوٹ، کے نام لکھا تھا جو اخبار انڈین میل مورخہ ۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء میں شایع ہوا تھا اور اسی اخبار میں استاد کے خط کے بعد ان کے شاگرد مسٹر پامر کا مضمون بھی بعنوان "السنۂ شرقیہ کا مطالعہ" شایع ہوا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ سید عبداللہ نے اپنے شاگردوں کو بھی اُردو کی حمایت کے لئے آمادہ کر دیا تھا۔ اُردو کی پروفسری سے استعفا دینے کے بعد سید عبداللہ نے لندن میں مختلف کام کئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اخبار اورنٹیل سرکلر لندن کے لئے اُردو میں اشتہارات لکھا کرتے تھے۔ وہ اُردو کے شاعر بھی تھے۔ دتاسی نے ان کی غزلوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ شیکسپیر۔ جان (پیدائش ۱۴ اگست ۱۷۷۴ء وفات ۱۰ جون ۱۸۵۸ء)

یہ مشہور مستشرق اور پروفیسر تھے۔ سالہا سال تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی کالج اڈسکومب میں اُردو کے پروفیسر رہے۔ دتاسی نے ۵ مئی ۱۸۵۹ء کے خطبہ میں اُن کا شرح وبسط کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس امر کا بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ "ہندستانی زبان میں میرے استاد تھے جس طرح مشہور ایس، دساسی میرے عربی و فارسی کے استاد تھے۔" چونکہ جے۔ شیکسپیر نہ صرف اُردو کے مشہور پروفیسر بلکہ استاد الاساتذہ گارساں دتاسی کے بھی استاد تھے اس لئے اُن کے حالات زندگی ہم یہاں خود دتاسی کی اُس تقریر کے چند اقتباسات سے پیش کرتے ہیں جو شکسپیر کی وفات کے بعد کی گئی تھی:۔

"جے شکسپیر ۱۴ اگست ۱۷۷۴ء کو اسٹانٹن ہیرلڈ میں پیدا ہوئے جو لیسٹر کا ایک قصبہ ہے۔ یہاں ان کے اجداد کئی صدیوں سے سکونت گزیں تھے اور اُن کے ہاں یہ روایت چلی آتی تھی کہ وہ لوگ اسی نام کے شاعر (ولیم شکسپیر) کے خاندان سے ہیں اور جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے یہ شاعر اسٹریٹ فورڈ آن آیون میں جو ہاروک شائر کا قصبہ ہے اور اس قصبے سے متصل ہے، پیدا ہوئے تھے۔ لیکن یہ ولیم شکسپیر کی اولاد میں سے نہ تھے اور وہ یقیناً اس خاندانی نام کے آخری وارث نہ تھے جیسا کہ بعض اخبارات کا بیان ہے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ درد انگیز المیہ نگار نے کوئی اولادِ ذکور نہیں چھوڑی۔

جان شکسپیر کم عمری ہی کے زمانے سے مشرقی السنہ خصوصاً عربی،

فارسی وہندستانی کے حصول کی جانب متوجہ ہوئے۔ ۱۸۰۵ء میں بحری فوجی کالج میں السنۂ مشرقی کے پروفسری کے لئے نامزد کئے گئے۔ اس خدمت کے موقوف ہوجانے کے بعد وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی کالج موقوعہ اڈسکومب میں ہندستانی کی پروفسری کی خدمت پر مامور ہوئے۔ ۱۸۳۲ء تک وہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔......رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے قیام پر وہ اس کے لائبریرین مقرر ہوئے اور اس اعزازی خدمت کو انھوں نے اپنی وفات تک انجام دیا۔

۱۸۲۵ء میں وہ پیرس آئے اور اس سال کے موسم سرما میں میرے سلسلۂ تعلیم میں شریک ہوئے۔ میں نے ان کی ایم دساسی سے ملاقات کرائی۔ انھوں نے اس سے قبل صرف اُن کی تصانیف کے ذریعے سے ان سے واقفیت حاصل کی تھی اور ان کی علمیت کی وہ بے انتہا قدر کرتے تھے۔ ہم دونوں ارژاں توی (Argen Teuil.) گئے جہاں عام قبرستان میں اُن کے حقیقی بھائی کی قبر تھی۔......جے شکسپیر پیرس میں صرف اسی وقت آئے تھے۔ مجھے انگلستان میں خاص طور پر اُن سے گفتگو کرنے کا موقعہ ملا۔ اُن کی پہلی تصنیف "اسپین کے عربوں کی تاریخ" ہے۔ یہ تصنیف اسپین کی مجلس انٹی کویرٹین آف اسپین میں لنڈن کے جے، سی، مرفی نے ۱۸۱۶ء میں طبع کرائی تھی۔ اس کے بعد اُنھوں نے اپنی "ہندستانی صرف و نحو"۔ "ہندستانی کے انتخابات" "ہندستانی لغت" اور "مقدمہ تعلیم ہندستانی"

متعدد بار طبع کرائے۔ انھوں نے شادی نہیں کی۔ لینگلے پرائری واقع ایشبی
وے لا سے زوش میں جو زمین انھوں نے خریدی تھی وہیں ۸۴ سال کی عمر
میں ۱۰ ارجون ۱۸۵۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے دو لاکھ ہزار پونڈ ترکہ
چھوڑا یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اس رقم کے منجملہ انھوں نے ڈھائی
ہزار پونڈ، اسٹریٹ فورڈ آن ایوَن کے مکان کی ترمیم ونگہداشت کے لئے
چھوڑے جہاں شکسپیئر پیدا ہوا تھا۔ اپنی زندگی میں بھی تقریباً اسی قدر رقم
انھوں نے اس کام پر صرف کی تھی۔ اس مرتبہ انھوں نے خاص طور پر یہ
وصیت کی تھی کہ سوان اف ایوَن کے منتظمیں سے اس امر کا فیصلہ کرلیا جائے
کہ وہاں ایک شکسپیئر میوزیم قائم کیا جائے۔ اس کے علاوہ انھوں نے
ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ اس مکان کے چوکی دار اور زائرین کی کتاب معاینہ
کی نگہداشت کے لئے وصیت کئے تاکہ جو لوگ وہاں آئیں وہ اس کتاب
میں کوئی شعر یا جملہ اپنے نام کے ساتھ لکھ جائیں۔

اس قدر کثیر دولت جو اس مستشرق نے چھوڑی وہ اس کی ہندستانی
ادبی تصانیف خصوصاً لغت کی کامیابی کی وجہ جمع ہوئی تھی۔ یہ لغت چار مرتبہ
طبع ہوئی اور ہر بار کئی ہزار تعداد میں۔"

۱۲۔ **گورڈن**۔ کپتان ایڈم گورڈن۔ چلٹن ہم کالج میں سالہا سال
تک اُردو کی پروفسری انجام دی اور ابھی اس منصب پر فائز تھے کہ
مئی ۱۸۵۷ء میں اچانک وفات پائی۔ ہندستان بھی آئے تھے اور یہیں کے
اثنائے قیام میں اُردو زبان سیکھی تھی۔ دتاسی نے ۱۰ ارڈسمبر ۱۸۵۷ء کے خطبہ

میں ان کی اچانک موت کا ذکر کیا ہے۔

۱۳۔ ماتھر۔ کاٹن ماتھر (Cotton Mathar) پہلے اڈسکومب میں اور بعد کو وولچ کی فوجی اکیڈیمی میں اُردو کے پروفیسر تھے۔ ۱۸۶۲ء سے قبل کئی سال تک یہ خدمت انجام دی۔ جب ۱۸۵۹ء میں لندن کی بائبل سوسائٹی نے انجیل کا باترجمہ نسخہ شایع کرنا چاہا تو یہ کام مسٹر کاٹن ماتھر ہی کے تفویض کیا گیا جنھوں نے اس کتاب کو دو کالم میں مرتب کیا۔ ایک کالم میں انگریزی اور دوسرے میں اُردو۔ اس کے بیس ہزار نسخے طبع کئے گئے۔ اُس کے آخر میں شریک کرنے کے لئے مسٹر ماتھر نے ایک فرہنگ اُردو الفاظ کی تیار کی۔ یہ فرہنگ اتنی مفید ثابت ہوئی کہ ۱۸۶۱ء میں اس کو علیحدہ کتابی صورت میں بھی شایع کیا گیا۔ دتاسی نے ماتھر کی مرتبہ باترجمہ انجیل کو ان کا بڑا کارنامہ قرار دیا ہے۔ اور اُن کی فرہنگ یا لُغت کی نسبت اس کی راے ہے کہ :۔

> "ہندستانی اور یوروپین دونوں اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ بالخصوص وہ یوروپین جو ہندستانی زبان کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا بڑی خوشی کے ساتھ خیر مقدم کریں گے۔ انھیں ہندستانی زبان سیکھنے میں اس سے بڑی سہولت ہوگی اگر وہ ذراسی بھی استعداد رکھتے ہیں تو اس کی مدد سے باسانی آگے چل سکتے ہیں۔"

دتاسی نے مسٹر کاٹن ماتھر کا ذکر اپنے تین خطبوں (۵ مئی ۱۸۵۹ء، ۲ ڈسمبر ۱۸۶۱ء اور یکم ڈسمبر ۱۸۶۲ء) میں کیا ہے۔

۱۴- رچرڈ ہاٹن - سرگریوس ہاٹن کے بھائی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے کالج موقوعہ اڈسکوسب کے طالب علم تھے اور بالآخر وہیں ۱۸۳۲ء میں اُردو کے پروفسر مقرر ہوئے۔ ان کے بعد ان کے بھانجے مسٹر باکونس اس خدمت پر ان کے جانشین ہوئے۔ دتاسی نے ہاٹن کا ذکر اپنی تقریر (۵ مئی ۱۸۵۹ء) میں کیا ہے۔

۱۵- ہال - مسٹر فٹز ایڈورڈ ہال۔ اُردو کے ماہر تھے اور جب ۱۸۶۲ء میں کنگز کالج لندن میں علوم مشرقیہ کا ایک شعبہ قایم کیا گیا تو یہ اس میں اُردو کے پروفسر مقرر ہوئے۔ انھوں نے ایسٹ انڈیا ہاوز لندن کے کتب خانہ کی نظامت کی خدمت بھی انجام دی تھی ان کے بعد وِلکنز (Wilkins) اور ولکنز کے بعد ایچ ایچ وِلسن اور ان کے بعد ڈاکٹر جیمز آر بلین ٹاین اس خدمت پر مامور ہوئے تھے۔ دتاسی نے ہال کا تذکرہ اپنی دو تقریروں (۲ دسمبر ۱۸۶۲ء اور ۵ دسمبر ۱۸۶۴ء) میں کیا تھا۔

(۱۴)

ہم عصر مستشرقین

گارسان دتاسی حسنِ اتفاق سے ایسے زمانے میں اُردو کی خدمت میں سرگرم تھاجب کہ یہ زبان ایک نازک دور سے گزر رہی تھی اور ہندستان میں انگریزی حکومت اس کی قسمت کا فیصلہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھاجب اہل ہند بالکل پہلی بار ایک نئی تہذیب اور حکومت سے روشناس ہو رہے تھے، اور اُن کا مذہب، زبان، تمدن اور سیاست غرض وہ تمام چیزیں جن پر قوموں کی ترقی وزوال اور خود وجود کا دار ومدار ہوتا ہے خطرہ میں پڑگئی تھیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ دوسری تمام چیزوں کے مقابلے میں صرف اُردو زبان ہی ایسی خوش قسمت ثابت ہوئی جس کی حفاظت اور بقا کے لئے اس خطرناک دور میں ہندستانیوں سے زیادہ اہل یورپ نے کام کیا۔ نئی تہذیب اور نئی سیاست کے اس طوفان میں اُردو کی حفاظت کے لئے خود اہل یورپ میں سے دتاسی کی طرح بہت سے ناخدا پیدا ہوگئے جن میں جرمن بھی تھے اور فرانسیسی بھی، اٹالین بھی تھے اور انگریز بھی، غرض وہ تمام اجنبی لوگ جو ہندستان اور اہل ہند سے دلچسپی رکھتے تھے ان کے دلوں کو سب سے پہلے ہندستان کی اس عام زبان نے موہ لیا، اور جہاں ایک دفعہ اس کا

جادو چل گیا اس نے عمر بھر کے لئے اپنے دوستوں کو اپنا دیوانہ بنالیا - یہی وجہ ہے کہ کوئی تاریخ ادب اُردوٗ اہل فرنگ کی اُردوٗ خدمات کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں سمجھی جا سکتی -

ان اجنبی ناخداؤں نے اُردوٗ کی کشتیٔ حیات کو سخت سے سخت طوفانی سمندر میں بھی اس خوبی سے سلامتی کے ساحل تک پہنچایا کہ آج اُن کی خدمت گزاری کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے - انھوں نے اُردوٗ زبان کے قواعد وضوابط قلمبند کئے، لغتیں تیار کیں، قاعدے لکھے، علوم جدیدہ سے متعلق نصاب کی کتابیں تیار کرائیں، اور نثر ونظم کو لایعنی تکلفات اور دور از کار تخیلات سے آزاد کر کے اِس زبان کو ترقی اور شائستگی کا ذریعہ بنادیا -

افسوس کی بات ہے کہ اُردوٗ کے یوروپین خدمت گزاروں کا اب تک کوئی تذکرہ نہیں لکھا گیا اور اسی امید پر کہ ہماری اس کوشش کو ایک تمہید سمجھ کر دوسرے اہلِ ذوق اس ضروری موضوع کی طرف متوجہ ہوں گے یہاں صرف ایسے چند خدمت گزاروں کے مجمل حالات قلمبند کئے جاتے ہیں جن سے دتاسی کے مراسم تھے -

یوں تو اس اردو پروفسر کے تعلقات اکثر مشرقی زبانوں مثلاً عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی وغیرہ کے ماہرین سے نہایت وسیع تھے اور اس کے ہمعصر علماء وفضلاء کا تذکرہ بجائے خود ایک کتاب کی وسعت چاہتا ہے لیکن آئندہ صفحات میں صرف اُن اصحاب کے نام اور حالات

درج ہیں جن کو اُردو سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق رہا ہے اور جن کی اردو خدمات کا خود دتاسی معترف تھا۔

۱- آرنٹ ۲- اِسپرینگر ۳- برُوٹن ۴- بُتروس ۵- ہیمنز
۶- پرنسپ ۷- ٹرُویر ۸- ٹیلر ۹- رُوبک ۱۰- فُلر
۱۱- فلکونر ۱۲- فوربز ۱۳- فیلن ۱۴- گِلکرسٹ ۱۵- لائٹنز
۱۶- لیس ۱۷- ہال رائڈ

۱- آرنٹ - سینڈ فرڈ (Samdford Arnet)- اسکاٹ لینڈ کے مستشرق اور مشہور محسن اُردو گلکرسٹ کے شاگرد اور ایک اور ماہر اُردو ڈنکن فوربز کے دوست تھے چنانچہ آرنٹ اور فوربز نے مل کر لندن کے "ادارۂ شرقیہ" (اورنٹیل انسٹی ٹیوشن) کی بنا ڈالی تھی جس کی تقلید میں دتاسی نے اپنے اساتذہ وساسی اور شیکسپیئر کی ہمت افزائی سے پیرس میں بھی ایک انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ آرنٹ کی عطا کی ہوئی ایک کتاب "ترجمۂ گنج خوبی" دتاسی کے کتب خانہ میں موجود تھی۔ (دیکھو کٹلاگ نمبر ۲۸۳۴) آرنٹ نے عین عالم شباب میں ۱۸۳۴ء میں انتقال کیا۔

۲- اسپرینگر - ڈاکٹر اے، اسپرنگر ایم ڈی (Sprenger) اصل میں طبیب تھے اور بنگال میں اسسٹنٹ سرجن کی خدمت پر مامور تھے لیکن عربی زبان وادب کے عالم ہونے کی وجہ سے فارسی اور اُردو سے بھی خاص شغف پیدا ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے جب ۱۸۴۵ء میں مشہور دہلی کالج کے پرنسپل

مسٹر بتروس اپنی علالت کی وجہ سے مستعفی ہو کر یورپ چلے گئے تو ڈاکٹر اسپرنیگر کا اس عہدہ پر تقرر کیا گیا۔ وہ اُردو اور مشرقی علوم و تہذیب کے بڑے ہمدرد تھے اور مشرقی طریقۂ تعلیم کی اصلاح کا ان کو خاص طور پر خیال تھا۔

اسپرینگر نے دہلی کالج کی ترقی اور عروج کے لئے ہر وہ کام انجام دیا جو کیا جا سکتا تھا۔ ان کا دور صدارت نہایت کامیاب رہا۔ دہلی کے مسلمان شرفاء اور دیگر اہل علم اُن کی لیاقت اور شرافت کے معترف تھے اور اسی وجہ سے انھوں نے اس شہر میں بڑا اثر اور مقبولیت حاصل کر لی اور اس طرح سے دہلی کالج کے ہمدردوں اور بہی خواہوں میں بے حد اضافہ ہوا۔

کالج کے صدر کے علاوہ اسپرنیگر نے دہلی ورنیکلر سوسائٹی کے معتمد اور روح رواں کی حیثیت سے بھی اُردو کی بڑی خدمت کی۔ اس سوسائٹی نے اسپرینگر کی قیادت میں اُردو زبان کے ذریعہ سے مغربی علوم و فنون کی اشاعت میں کافی حصّہ لیا اور دہلی کالج کے شعبۂ مشرقی کے طلبہ کی تعلیم اور ترقی میں خاص مدد دی۔

اسپرینگر نے نہ صرف دہلی کالج کے انتظام کو اچھّا رکھا اور نصاب تعلیم میں اصلاحیں کیں بلکہ نصاب کو مفید بنانے کی خاطر خود بھی زحمت اُٹھائی تاریخ یمینی کو مرتب کر کے چھپوایا۔ حمّاسہ اور متنبی کے نسخے بہم پہنچا کر عربی کے نصاب کو تقویت دی۔ اور فارسی کے مولویوں کو جو پُر تکلف اور مقفیٰ و مسجع طرز کے دلدادہ تھے اور متاخرین کے کلام کو پسند کرتے تھے متقدمین کے کلام اور سادہ اور موافقِ فطرت شعر و سخن پڑھنے اور پڑھانے کی طرف

متوجہ کیا۔ نہ صرف یہی بلکہ وہ اپنے شاگردوں اور دہلی کالج کے طلبہ کی ہر موقع پر ہمت افزائی کرتے تھے۔ چنانچہ ماسٹر رامچندر جب ۱۸۵۱ء میں کلکتہ گئے تو اسپرنگر نے انریبل دی بیتھیون رکن سوپریم کونسل وصدر مجلس قانون ومجلس تعلیم سے اُن کا تعارف کرایا۔ جس کی بناء پر ماسٹر رامچندر کو صاحب موصوف نے اُن کی کتاب کے ایک نسخے کے صلے میں دو سو روپے عطا کئے۔

دتاسی کے ایک شاگرد سیٹن کار نے جو صوبۂ بنگال کے ناظم تعلیمات اور یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اپنی رپورٹ بابتہ ۱۸۵۳ء میں ڈاکٹر اسپرنگر کی تعریف کی تھی کہ "انھوں نے دہلی کالج میں اُردو کو ذریعہ تعلیم برقرار رکھ کر شاندار نتائج حاصل کئے۔"

اسپرنگر نے پرنسپلی کا جائزہ لیتے ہی ممالک مغربی شمالی کے لفٹنٹ گورنر کی خدمت میں ایک اسکیم روانہ کی جس میں اس امر پر زور دیا کہ ایک علیحدہ اسکول قائم کرکے طلبہ کو ابتدائی تعلیم دی جائے اور جب وہ دہلی کالج میں شریک ہونے کے قابل ہوں اس وقت کالج میں ان کو داخل کیا جائے۔ یہ مفید تجویز اگرچہ پسند کی گئی لیکن اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اِسی طرح اس سال کی رپورٹ میں انھوں نے فارسی اور عربی سے اُردو میں ترجمہ کرنے کے طریقہ کی اصلاح کی تجویز پیش کی اور شعبۂ مشرقی کے نصاب میں مغربی علوم کی تعلیم کو داخل کیا جس کے لئے متعدد انگریزی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کرایا گیا۔ ان ترجموں کی نسبت ڈاکٹر اسپرنگر کے مساعی کے بارے میں مجلس تعلیمی نے ۱۸۴۵ء کی رپورٹ میں جو گورنمنٹ میں پیش کی گئی تھی بڑے اچھے الفاظ استعمال

کیئے ہیں۔

تین سال تک دہلی کالج اور اُردو کی خدمت کرنے کے بعد فروری ۱۸۴۷ء میں ڈاکٹر اسپرینگر گورنمنٹ آف انڈیا کے حکم سے لکھنو بھیجے گئے تاکہ کتب خانہ جات شاہانِ اودھ کی فہرست تیار کریں۔ یہ فہرست مشرقی علوم وفنون کی نسبت نہایت مفید معلومات کا ایک اہم ذخیرہ ہے اور اس کے ذریعے سے اسپرینگر نے نہ صرف شاہانِ اودھ کے کتب خانوں کو جو بعد میں منتشر ہو گئے زندہ جاوید بنا دیا بلکہ اُردو ادب کی بہت سی نایاب کتابوں سے بھی اُردو دنیا کو روشناس کیا۔ اس کو انھوں نے بڑی محنت اور قابلیت سے تیار کیا تھا اور یہ سنہ میں شایع ہوئی۔

لکھنو کے کام سے فارغ ہونے کے بعد اسپرینگر ۱۴ر جنوری ۱۸۵۰ء کو پھر دہلی کالج کی صدارت پر واپس ہوئے۔ لیکن چند ماہ کے بعد ہی ۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء کو بوجہ علالت رخصت لے کر شملہ چلے گئے۔ اور ایک مہینہ بعد یعنی مئی ۱۸۵۰ء میں ان کو بجائے دلی کے کلکتہ میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں وہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے معتمد اور فورٹ ولیم کالج کے ممتحن کی حیثیت سے مشرقی علوم اور اُردو کی خدمت کرتے رہے۔

ڈاکٹر اسپرینگر کی فرمائش اور مدد سے جو کتابیں اُردو میں منتقل ہوئیں اُن میں ترجمہ ابوالفدا جلد اول، دوم، چہارم و پنجم از منشی کریم الدین اور اُردو میں انگریزی گرامر از رام کرشن قابل ذکر ہیں:۔

دتاسی نے اپنے کئی خطبوں میں ان کا ذکر کیا ہے اور اُن کی تحریک

اُردو تراجم کے اعتراف کے سلسلہ میں ۲ دسمبر ۱۸۶۶ء کے خطبہ میں کہتا ہے کہ
"کاش کہ پھر کوئی اس کام کو شروع کرے"

۳۔ بُترو (بوترو) فیلکس۔ (Boutres.) مشہور فرانسیسی مستشرق تھے۔ "ین" میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳۲ء میں اپنے کسی قریبی عزیز کے یہاں ہندستان چلے آئے۔ چونکہ بچپن میں یہاں آئے تھے اس لئے اُردو بہت جلد سیکھ لی اور تحریر و تقریر میں بالکل بے تکلفی سے یہ زبان استعمال کرتے تھے۔ ۱۸۳۴ء میں معلمی کا پیشہ اختیار کیا اور ۱۸۴۰ء میں دہلی کالج کی صدارت اُن کو تفویض کی گئی جس کے ساتھ اُن مدارس کی نظارت کا کام بھی ان کے سپرد تھا جو شہر دہلی کی "مجلس تعلیمی" کے ماتحت تھے۔ ۱۸۴۱ء میں وہ ایک کمیشن کے معتمد بنائے گئے جس کے پیش نظر یہ کام تھا کہ ہندستانی طلبہ کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر ایک ایسا نصاب تیار کیا جائے جو مادری زبان بالخصوص اُردو کے ذریعہ سے تعلیم کو عام کر سکے۔ اس کمیشن نے ایک انجمن بنادی جس نے بتروس کی قیادت میں ۱۸۴۱ء سے ۱۸۴۵ء تک تیس اعلیٰ پایہ کی اُردو کتابیں لکھوائیں جو مختلف موضوعوں مثلاً طبیعیات، کیمیا، ریاضی فلکیات، آئین سازی، معاشیات اور قانون وغیرہ پر قلمبند کی گئی تھیں موسیو بترو نے خود تین کتابیں لکھیں جو یہ تھیں۔ ۱۔ اصول قانون سازی ۳۵ صفحات ۲۔ ہندستان کی مالیات (۱۶۶ صفحات) ۳۔ حقوق شخصی (۲۱۰ صفحات) یہ تینوں کتابیں دہلی میں لیتھو پر چھپی تھیں اور دتاسی نے اُن کے نسخے خاص اہتمام سے حاصل کئے تھے۔ دتاسی سے ان کی دوستی تھی جس کا ذکر اس نے اپنے خطبہ

مورخہ ۷ ر دسمبر ۱۸۶۸ء میں کیا ہے۔

بترو نے اپنے خلوص اور جدّو جہد کے ذریعہ سے دہلی کالج کو اس قابلِ احترام درجہ تک پہنچایا جس کا وہ مستحق تھا۔ انہی کی کوششوں سے اس کالج کے مشرقی اور انگریزی شعبے جو ابتدا میں علیحدہ علیحدہ تھے ایک ساتھ کردئے گئے۔ اس مستحسن خیال کے تحت انھوں نے ۱۸۴۳ء میں دونوں شعبوں کا ایک ہی مضامین میں امتحان لیا جس کے نتیجے کے طور پر معلوم ہوا کہ مشرقی شعبہ کسی طرح مغربی شعبہ سے پیچھے نہیں ہے۔ لفٹنٹ گورنر نے بوترو کی اس تجویز کو پسند کیا اور ۱۸۴۴ء سے بوترو اپنے اس اہم مقصد میں کامیاب ہوگئے اور دونوں شعبے ایک ساتھ کردے گئے۔

چونکہ بوترو کو اُردو سے خاص دلچسپی تھی اس لئے قیام ورنیکلر سوسائٹی کے اس مقصد کے باوجود کہ بنگالی، ہندی اور اُردو تین زبانوں میں کتابیں تیار کرائی جائیں صرف اُردو ہی میں کتابیں تیار ہوئیں۔ چونکہ وہی اس انجمن کے بانی اور روح و رواں تھے اور اس کے ارباب کار میں سے کسی اور میں کام کرنے اور جدو جہد کا ولولہ نہ تھا اس لئے مجلس انتظامی کے تہیہ کے باوجود بوترو نے اُردو ہی کی خدمت کی۔ بوترو کی قائم کی ہوئی یہی ایک سوسائٹی کئی ناموں سے مشہور ہوئی مثلاً ۱۔ دہلی کالج ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی، ۲۔ ورنیکلر سوسائٹی۔ ۳۔ ٹرانسلیشن سوسائٹی۔ ۴۔ اُردو سوسائٹی، ۵۔ لائبریری اف یوسفل نالج وغیرہ۔

بوترو نے اُردو کی جو خدمت کی اور اہلِ ہند کی تعلیمی ترقی اور شائستگی

کے لئے جو کام کئے اُن کا تفصیلی تذکرہ ان کی تجویزوں اور رپورٹوں سے ملتا ہے۔ ان کے اقتباسات کتاب "مرحوم دہلی کالج" میں شایع ہو چکے ہیں اس لئے یہاں ان کی نسبت تفصیل سے لکھنے کی ضرورت نہیں۔

۱۸۴۵ء کے اواخر میں بوترو کی صحت بہت خراب ہو گئی اور طبیبوں نے اُنھیں مشورہ دیا کہ وہ کچھ روز کے لئے اپنے وطن فرانس ہو آئیں۔ چنانچہ انھوں نے دو سال کی رخصت حاصل کر کے اپنے وطن کا رخ کیا۔ ان کی روانگی کے وقت جو الوداعی جلسے ہوئے ان میں گورنمنٹ ہند کے سب اعلیٰ حکّام اور اہل دہلی نے ہمدردی اور افسوس کا اظہار کیا اور ان کی واپسی کی تمنائیں ظاہر کیں۔

اپنے وطن فرانس پہنچنے کے بعد بوترو نے انجیرس میں قیام کیا جہاں کی آب و ہوا اتنی راس آئی کہ کچھ عرصہ کے لئے وہ بالکل صحت مند ہو گئے اور انجیرس کے مجسٹریٹ کی لڑکی سے شادی بھی کر لی جس کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا لیکن افسوس ہے کہ وہ اپنی متاہلانہ زندگی سے زیادہ عرصہ تک محظوظ نہ ہو سکے اور مئی ۱۸۶۴ء میں بمقام انجیرس انتقال کر گئے۔ دتاسی نے اسی سال کے خطبے میں اُن کی نسبت کہا کہ :-

"جنھیں آپ کے ساتھ سابقہ رہا اُن کے دل میں آپ کی ہمیشہ قدر اور عزت رہی۔ آپ کا شمار ان چند نفوس میں ہونا چاہیئے جنھوں نے فارسی کی جگہ ہندستانی کو رائج کرنے کی کوشش کی اور خود ہندستانیوں کو نثر لکھنے کا شوق دلایا۔"

مولوی ڈاکٹر عبدالحق نے "مرحوم دہلی کالج" میں اُن کی نسبت لکھا ہے :-

"یہ بہت قابل اور صاحب علم شخص تھے ۔ انھوں نے مشرقی شعبے میں مغربی علوم کی ترویج میں بڑی کوشش کی اور دیسی زبان میں ترجمے کے ذریعے علم کی اشاعت کے بڑے حامی تھے جس مستعدی اور حقیقی سرگرمی اور خلوص سے دہلی ورنیکلر سوسائٹی کے ترقی دینے اور کتابوں کے ترجمہ کرانے میں کوشش کی وہ نہایت قابل قدر ہے اور اُن کا احسان اُردو زبان پر ہمیشہ رہے گا۔"

۴ - بروٹن - کرنل ٹامس ڈویر (Broughton) ان قدیم انگریزوں میں سے تھے جنھوں نے اوائل انیسویں صدی میں ہندستانی زبانوں پر کام کیا - انھوں نے "ہندوؤں کی مقبول شاعری کے منتخبات" کے نام سے ایک مجموعہ شایع کیا تھا جس میں ۵۹ ہندی گیت اور بہت سے مقبول شعرا کا ذکر درج ہے - یہ دتاسی کے دوست تھے - چنانچہ اس نے اپنے خطبہ (مورخہ ۴ ر ڈسمبر ۱۸۵۴ء) میں بروٹن کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

"بہت با اخلاق شخص تھے اور مجھے ذاتی طور پر ان کی ملاقات کا شرف حاصل تھا - ان کا انتقال لندن میں ۱۶ ر نومبر ۱۸۳۵ء میں ہوا۔"

۵ - بیمز - جے (Beams) مشہور ماہر لسانیات تھے جنکی کتاب "ہندستانی لسانیات کا خاکہ" اب تک ہندستانی السنہ پر ایک مستند

تحقیقی مقالہ سمجھی جاتی ہے۔ اُنھوں نے ۱۸۵۰ء کے بعد سے پندرہ بیس سال تک اُردو کی حمایت کے لئے بڑی جدوجہد کی اُنھوں نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل بابت ۱۸۶۶ء کے شمارۂ اول میں ایک مضمون بعنوان "اردو میں عربی عنصر کی حمایت" لکھا تھا جس میں ثابت کیا ہے کہ:-

"اُردو ہندستانی کی مہذب ترین شکل ہے۔ اس میں ایجاز اور فصاحت بدرجۂ اتم موجود ہے اور اظہار خیال کے لئے اس زبان میں بڑی صلاحیت پائی جاتی ہے...... اُردو سے عربی فارسی الفاظ کو خارج کرنا ایسا ہے جیسے آپ انگریزی زبان سے لاطینی الفاظ نکالنے کی کوشش کریں اور چاہیں کہ اس میں صرف سکسن اصل کے لفظ باقی رہیں۔ زبانیں اس طرح بالارادہ نہیں بنائی جاتیں"۔ وغیرہ۔

اسی طرح ۱۸۶۸ء کے کوارٹرلی جرنل (نمبر ۲۳۴) میں بھی بیمز نے اُردو کی بے حد حمایت کی ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا تھا کہ:-

"اگر سرکاری طور پر ہندستانی کو سارے ہندستان کی زبان تسلیم کیا جائے تو یہ صرف اس وقت ممکن ہوگا کہ ہندستانی کو فارسی سے بالکل جدا نہ کیا جائے...... اگر اُردو لکھتے وقت سنسکرت یا ہندی یا عربی و فارسی کے ہم معنی لفظوں میں سے ایک چننا ہو تو آخر الذکر کو

سب پر ترجیح دینی چاہیئے۔"

بینیر اور دتاسی نہ صرف ہم خیال تھے بلکہ دونوں کے آپس میں بڑے مخلصانہ تعلقات بھی تھے۔ چنانچہ انھوں نے دتاسی کے یہاں ہندستان سے کئی کتابیں بطور تحفہ روانہ کی تھیں۔

۶۔ پرنسپ۔ ہنری ٹامس (Prinsip.) مشہور فاضل جمیس پرنسپ کے بھائی تھے ۱۸۳۵ء میں گورنر جنرل کی کونسل کے رکن تھے اور ہمیشہ مشرقی علوم اور خاص کر اردو کی حمایت کرتے تھے۔ چنانچہ جب مکالے نے انگریزی کے رواج اور مشرقی تعلیم کی تحدید کی تجویز پیش کی اور اس کے بموجب لارڈ بینٹنگ گورنر جنرل نے ۷ مارچ ۱۸۳۵ء کو اس بارے میں ایک تاریخی رزولیوشن جاری کیا تو مشرقی علوم کے جن ماہرین نے اس کی مخالفت کی اُن میں پرنسپ بھی شامل تھے۔ چنانچہ خود کونسل میں انھوں نے لارڈ مکالے سے بڑی تیز اور سخت بحث کی۔

پرنسپ بعد کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹر اور وزیر ہند کے رکن جیسے ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ جب ۱۸۵۷ء میں ملکۂ وکٹوریا نے قیصرۂ ہند کا خطاب قبول کرکے لارڈ کیننگ کو پہلا وئسرائے بنایا اور لارڈ اسٹینلی وزیر ہند مقرر ہوئے تو پرنسپ کو وزیر ہند کی کونسل کا رکن مقرر کیا۔

اس سے قبل جب پرنسپ ہندستان میں تھے تو ان کو ۱۸۴۱ء میں سرکاری تعلیمی (ایجوکیشنل) کمیٹی کا رکن بھی مقرر کیا گیا۔ اس کمیٹی نے اردو میں تعلیمی کتب کی تیاری کے لئے ایک مفید اسکیم بنائی تھی جس کا مفصّل تذکرہ

"مرحوم دہلی کالج" میں درج ہے۔ پرنسپ نے دتاسی کے لئے "تاریخ شیرشاہ" مترجمہ مظہر علی خاں ولا ۱۸۰۵ء کا ایک نسخہ بھی روانہ کیا تھا جس کا ذکر اس کے کتب خانہ کے کیٹلاگ نمبر ۲۸۰۲ میں شریک ہے۔

۷۔ ٹرویر۔ کپتان انٹنی (TroYER.) ۔ مشہور مستشرق فلکونر کے قدیم دوست اور کلکتہ ہندو کالج کے معتمد تھے۔ لارڈ ولیم بنٹنک گورنر جنرل کے ایڈی کانگ بھی رہ چکے تھے۔ سنسکرت اور فارسی کے عالم تھے۔ اُردو بھی سیکھ لی تھی۔ ہندستان سے واپسی کے بعد پیرس میں عرصہ تک قیام کیا اور وہیں ترانوے سال کی عمر میں ۲ر جون ۱۸۶۹ء کو انتقال کیا۔ دتاسی نے اسی سال کے خطبے میں اُن کی نسبت کہا تھا کہ:۔

"آپ کی میرے حال پر بڑی عنایت تھی۔ چنانچہ ہندستانی کے متعدد قلمی نسخوں کی نقلیں آپ کی مدد سے میں نے کرائی تھیں۔ آپ نے "دبستان مذاہب" کے انگریزی ترجمے کی تکمیل کی جسے D. Shea نے شروع کیا تھا۔ راج ترنگنی کا بھی انگریزی ترجمہ آپ نے ختم کیا۔ اس کتاب کو کشمیر کی تاریخ سمجھنا چاہئے اس کے علاوہ آپ کے متعدد مضامین پیرس کے ژورنال ایشیاتیک میں نکلتے رہے ہیں۔"

دتاسی کے کتب خانے کے لئے انھوں نے حسب ذیل کتابیں بھجوائی تھیں

۱۔ گلزار ابراہیم۔ علی ابراہیم خاں خلیل۔ خود ٹرویر نے نقل کیا تھا۔

۲۔ قصۂ کامروپ۔ تحسین الدین۔ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ سے ٹروپر نے نہایت اہتمام سے نقل کرایا تھا۔

۳۔ قصۂ یوسف زلیخا۔ امین دکنی ۱۶۰۰ء۔ فورٹ ولیم کے کتب خانہ سے ٹرویر نے خاص اہتمام سے نقل کرایا تھا۔

۴۔ تذکرہ گردیزی۔ علی حسینی گردیزی ۱۱۵۳ھ۔ خود ٹرویر نے ٹیپو سلطان کے قلمی نسخے سے نقل کیا تھا۔

۸۔ ٹیلر۔ جے۔ ایچ (Taylor)۔ دہلی کالج کے بانیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اُردو کے شیدائی اور زبان وادب کے بہت بڑے ماہر تھے۔ انیسویں صدی کے ربع اول میں دہلی آئے اور اس شہر کے باشندوں سے اور وہاں کی زبان سے ان کو اتنی محبت ہوگئی کہ اپنی پوری زندگی یعنے تیس، چالیس سال وہیں گزار دیئے اور آخر کار اسی شہر میں ۱۸۵۷ء کے قیامت خیز ہنگامے میں مارے گئے۔

ٹیلر دہلی کی مجلس تعلیمی کے معتمد تھے۔ اور جب ۱۸۲۳ء کے اواخر میں مجلس تعلیم عامہ نے ایک گشتی چھٹی بھیج کر دہلی کی تعلیمی حالت دریافت کی تو ٹیلر نے جنوری ۱۸۲۴ء میں ایک جواب روانہ کیا جس میں مختلف امور سے بحث کی اور دہلی کالج کے قیام کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلائی۔ اس جواب کے آخری حصہ میں نہایت پرجوش انداز میں دلی کی اہمیت ظاہر کی گئی تھی جس سے دلی کی محبت ٹپکتی ہے۔

غرض اس پرجوش جواب کی بناپر ۱۸۲۵ء میں مجوزہ کالج کا افتتاح ہوا

اور مقامی مجلس تعلیمی کے معتمد جے، ایچ ٹیلر ایک سو پچھتر روپے ماہانہ یافت پر اُس کے معتمد مقرر ہوئے۔ اس کالج کے قیام کی طرح اس کی ترقی اور مقبولیت میں بھی ٹیلر کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ دلی میں وہ اپنے حسن اخلاق اور لیاقت کی وجہ سے بہت مقبول و معروف تھے اور اکثر شرفائے شہر سے ان کے ذاتی تعلقات تھے۔ اور وہ بلا تکلّف اُردو میں بات چیت کر سکتے تھے۔ انھوں نے اہلِ ہند اور خاص کر اہلِ دہلی کی تعلیمی ترقی کے لئے جو کچھ خدمات انجام دیں اُن سے کتاب "مرحوم دہلی کالج" کے صفحات معمور ہیں۔

چونکہ ٹیلر کے ذمہ کالج کی معتمدی کے علاوہ دوسرے کام بھی تھے اور اس لئے وہ کالج پر زیادہ وقت صرف نہ کر سکتے تھے اس لئے مجلس انتظامی نے ۱۸۳۷ء میں یہ تجویز کی کہ ٹیلر کو کالج کا پرنسپل مقرر کر کے ان کی تنخواہ آٹھ سو روپے ماہانہ قرار دی جائے لیکن گورنمنٹ نے اس کو آئندہ پر ملتوی رکھا اور آخر کار ۱۸۴۱ء میں مسٹر ایف بترو کا تقرر کر دیا۔

۱۸۵۴ء میں ٹیلر قائم مقام پرنسپل بنائے گئے لیکن دو تین سال تک پرنسپلی کرنے پائے تھے کہ غدر ہو گیا۔ مولوی عبدالحق نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ:-

> "مسٹر ٹیلر نے دلی کالج میں تیس برس تک ہیڈ ماسٹری کی اور دو تین سال پرنسپل رہے۔ وہ طلبہ پر پدرانہ شفقت کرتے تھے کہ یہ سب میری اولاد ہیں اور ان سے بہتر اولاد ہو نہیں سکتی۔ ...... ان کے اخلاق حمیدہ کا طلبہ پر بہت بڑا اثر تھا۔ وہ ان سے سچی محبت کرتے

تھے بعض (ہندو) طلبہ نے تو ان کے اخلاق سے
متاثر ہو کر اپنا مذہب تک بدل دیا۔"

ناظم تعلیمات ممالک مغربی شمالی نے ٹیلر کی وفات پر لکھا کہ:-

گورنمنٹ کے کسی محکمے میں ان سے زیادہ صادق
اور قابل قدر کوئی شخص نہ تھا۔ ان کے طویل قیام
دہلی اور طلبہ سے گہری واقفیت نیز اس ادب واحترام
کی وجہ سے جو دہلی والے ان کا کرتے تھے اور بوجہ
اس اثر کے جو وہ کالج کے ہندستانی اساتذہ پر رکھتے
تھے انھوں نے بہت سی اصلاحیں بغیر کسی مخالفت
کے جاری کیں اور کالج کو بڑی ترقی کے درجہ تک
پہنچایا۔"

گارساں دتاسی اور ٹیلر کے بھی بڑے دیرینہ اور استوار تعلقات تھے
اس نے اپنے خطبہ بابت ۱۰ ر دسمبر ۱۸۵۷ء میں کہا تھا:-

"اضلاع شمالی و مغربی کی علمی وادبی ترقی کی تمام اطلاعات
مجھے مسٹر ٹیلر کی عنایت سے حاصل ہوئی تھیں حقیقت
میں یہ شخص بڑے لطف وکرم اور تندہی سے مجھ سے
خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھتا تھا۔ اور چونکہ ہندستانی
زبان کا وہ بڑا ماہر تھا اور اہل علم ہندستانیوں کے یہاں
اس کی آمد ورفت تھی کہ جن سے وہ اردو میں بلا تکلف

بات چیت کر سکتا تھا اس لئے اب تم خود اندازہ
کر سکتے ہو کہ میرے لئے اس کا وجود ہندستان کی علمی
اور ادبی ترقیات کے متعلق کس قدر کارآمد اور
فائدہ رساں تھا۔"

افسوس ہے کہ اُردو کا یہ محسن اُسی شہر میں ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو بڑی بیدردی کے ساتھ سر بازار مارا گیا جس کی فلاح و بہبود کے لئے اس نے عمر بھر کوشش کی۔ ٹیلر اپنے بعد ایک جوان بیوہ اور کم عمر بچہ چھوڑ گئے وہ کالج ہی کی کوٹھی میں رہتے تھے۔

جب ۱۱ مئی کو غدر شروع ہوا اور میگزین کے کمانڈنٹ نے بذریعہ خط دلی کالج کے یوروپین اسٹاف کو میگزین میں بلا بھیجا تو ٹیلر بھی دوسروں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ لیکن بہت جلد ہندستانی سپاہیوں نے میگزین کو گھیر لیا اور سیڑھیاں لگا کر چڑھنے لگے۔ وہاں پانچ چھ انگریز افسر اور دو تین سارجنٹ تھے۔ انھوں نے خوب مقابلہ کیا لیکن جب دیکھا کہ کمک کی کوئی اُمید نہیں تو میگزین کو آگ لگا دی۔ ہزاروں ہندستانی اور ان کے ساتھ پانچ انگریز خود بھی لقمۂ اجل ہوئے۔ مسٹر ٹیلر کو اتفاق سے باہر نکلنے کا راستہ مل گیا لیکن ہر طرف موت کھڑی نظر آ رہی تھی۔ بڑی دقت سے کالج کے احاطے میں آئے۔ اور اپنے بڈھے خانساماں کی کوٹھڑی میں گھس گئے۔ اس نے اُنھیں محمد حسین آزاد کے والد محمد باقر کے گھر پہنچا دیا۔ یہ دونوں بہت گہرے دوست تھے محمد باقر نے ایک رات تو ٹیلر کو اپنے امام باڑہ کے تہ خانے میں رکھا لیکن دوسرے

روز جب ان کے وہاں چھپنے کی خبر عام ہو گئی تو انھوں نے اس غریب کو ہندستانی لباس پہنا کر روانہ کر دیا۔ ٹیلر بیرام خاں کی کھڑکی تک پہنچنے پائے تھے کہ لوگوں نے پہچان لیا اور اتنے لٹھ برسائے کہ بے چارے وہیں فوت ہو گئے۔

۹۔ روبک۔ ٹی (Roebuck) اُردو ہندی محاوروں کی کتاب مرتب کی تھی اور انھی کے مشورے سے بینی نارائن جہاں نے اپنے انتخاب دیوانِ جہاں کا کام تکمیل کو پہنچایا تھا۔ انھوں نے گارساں دتاسی کو قلندر بخش جرأت کا کلیات مورخہ ۱۸۰۸ء بطور تحفہ دیا تھا۔ (دیکھو کیٹلاگ نمبر ۲۸۱۴)

۱۰۔ فلر۔ میجر اے۔ آر (Fuller) پنجاب میں ناظم تعلیمات تھے اکثر کپتان فلر کے نام سے بھی اُن کا ذکر ملتا ہے۔ غالباً ۱۸۶۵ء کے بعد ان کو میجر کا درجہ ملا تھا۔ یہ اپنی نظامت کے زمانے میں ہر سال پنجاب کی تعلیمی ترقی کی نسبت ایک تفصیلی رپورٹ شائع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۰ء سے ۱۸۶۱ء تک جو کام ہوا تھا اس کی رپورٹ دتاسی کے یہاں بھی روانہ کی تھی۔ دتاسی نے اپنے خطبے مورخہ ۴ر ڈسمبر ۱۸۶۵ء میں اُن کا کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ ان کو اُردو سے خاص دلچسپی تھی اور اس کے ادب کی توسیع کے لئے انھوں نے بڑی کوششیں کیں۔ دتاسی نے ان کی نسبت اُسی خطبہ میں کہا تھا:۔

"خاص کر ہندستانی زبان کے ساتھ دلچسپی ہے، آپ نے ہندستانی کی متعدد قدیم و نایاب کتابیں طبع کرائی ہیں اور خود بھی نئی کتابیں اس زبان میں لکھی ہیں اور

لکھوائی ہیں۔ آپ کے زیر اہتمام نہ صرف یہ کہ ایک
سالانہ رپورٹ مرتب کی جاتی ہے ..... بلکہ ساتھ
ہی ایک ہندستانی ماہوار رسالہ بھی شایع کراتے ہیں۔"

اسی سال ڈاکٹر انڈرسن نے دتاسی کے یہاں فلر کے حکم سے چھپی ہوئی بہت سی کتابیں روانہ کی تھیں جن پر اس نے تفصیل کے ساتھ اپنے طلبہ کے سامنے تبصرہ کیا تھا۔

گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل ڈاکٹر لائٹنر نے ایک انجمن "اشاعت علوم" لاہور میں قائم کی تھی جس میں بلا امتیاز مذہب و ملّت سب علم دوست شریک ہوسکتے تھے۔ اس کے سرپرست فلر ہی تھے اور اخبار کوہ نور کے ایڈیٹر ہرسکھ رائے اُن ہی کی نگرانی میں اس کی معتمدی کا کام انجام دیتے تھے۔

فلر نے ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۵ء میں پنجاب میں جو تعلیمی ترقی ہوئی تھی اس کی روئداد ۱۹۰ صفحات میں شایع کی تھی جس پر دتاسی نے اپنے خطبہ میں تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ اس سال کے تعلیمی دربار میں جو ملکہ کے باغ دہلی میں منعقد ہوا تھا میجر فلر نے لفٹننٹ گورنر پنجاب کی خدمت میں ایک ایڈرس پیش کیا تھا جس میں دہلی کالج کا بھی ہمدردی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

محمد حسین آزاد انہی کے دفتر میں ملازم تھے۔ ایک دفعہ ماسٹر پیارے لال نے بر سبیل تذکرہ آزاد کی بڑی تعریف کردی۔ فلر نے ان کو بلایا اور لفظ ایجاد کی تذکیر و تانیث پر بحث کی۔ آزاد کے جواب سے فلر اتنے مطمئن ہوئے کہ بہت جلد ان کو ترقی دے دی۔

افسوس ہے کہ ۲۰ر اگست ۱۸۶۷ء کو یہ بہی خواہِ اُردو صرف اڑتیس سال کی عمر میں ایک حادثہ کا شکار ہو کر انتقال کر گیا۔ یہ اسی سال انگلستان گئے تھے تاکہ اپنی بیوی اور بچوں کو دیکھیں اور انھیں ساتھ لیکر ہندستان واپس ہوں یہاں واپس ہونے کے چند ہی روز بعد جب کہ وہ دیہات کے دورے پر گئے ہوئے تھے شہر راولپنڈی کے قریب ایک نالہ میں ان کی گاڑی پانی میں پھنس گئی وہ اس کو نکالنے کی کوشش کر رہے تھے کہ خود ہی پانی کے زور میں بہ گئے اور چند گھنٹوں کے بعد ان کی نعش دور کسی مقام پر ملی۔

۱۱۔ فلکونر۔ ہیو (Hugh Falconer) ویلز میں پیدا ہوئے تقریباً بائیس سال کی عمر میں ۱۸۳۰ء میں پہلی بار ہندستان آئے اور اپنی عمر کے بہترین بیس سال اسی مُلک کی خدمت میں صرف کئے۔ نباتیات و حیوانیات کے ماہر تھے حافظہ بلا کا تھا۔ معلومات نہایت وسیع تھیں۔ کلکتہ میں سرکاری باغ کے مہتمم (سپرنٹنڈنٹ) تھے۔ گارساں دتاسی کہتا ہے کہ ان ہی نے ہندستان میں سب سے پہلے چاء اور سنکونا کی کاشت شروع کرائی۔ ہندستان کے محجرات کے متعلق بھی تحقیق کی تھی اور اپنے نتائج برٹش میوزیم میں محفوظ کرا دئے تھے۔ مشہور مستشرق ٹروئر سے بھی ان کی بڑی دوستی تھی۔

لندن واپس ہونے کے بعد غالباً یونیورسٹی کالج میں اُردو کے پروفسر مقرر ہوئے چنانچہ سید احمد سے قبل یہی وہاں اُردو پڑھاتے تھے۔ وہ اُردو میں بلا تکلف گفتگو کرتے تھے۔ جب وہ ۱۸۵۵ء کے قریب ہندستان سے واپس ہوئے تھے تو پیرس میں دتاسی سے ملاقات کی تھی اور دونوں نے اُردو ہی میں تبادلۂ خیالات

کیا تھا۔ ۳۱ رجنوری ۱۸۶۵ء کو انتقال کیا۔ لندن کے علمی حلقوں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ دتاسی کہتا ہے کہ :۔

"آپ کے انتقال پر لندن کے علمی حلقوں میں سے
معلومات کا بیش بہا خزانہ ہمیشہ کے لئے اُٹھ گیا"۔

فلکونز سے دتاسی کو حسب ذیل دو قلمی نسخے حاصل ہوئے تھے۔

(۱) دیوان شاہ رکن الدین عشقی دہلوی (۲۸۱۵)

(۲) قصۂ مہر و ماہ از منشی غلام اکی (؟) (۲۸۷۵)

۱۲۔ فوربز۔ ڈنکن (Forbes) اس نام کے کئی اصحاب ہندستان میں مشہور ہوئے مثلاً (۱) جسٹس الکزنڈر کنلوخ فوربز جو ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کے نائب صدر، بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر، اور گجراتی کے مشہور ماہر تھے اور ایک کتاب "راس مالا" چھپوائی تھی۔ انھوں نے ۳۱ اگسٹ ۱۸۶۵ء میں وفات پائی۔

(۲) جیمز فوربز جو اورنٹیل میموائرز (مشرقی یادداشتیں) کے مصنّف تھے اور کونٹ آف مونتا لیمبرٹ کے رشتہ کے دادا تھے۔

(۳) سر چارلس فوربز

(۴) ڈنکن فوربز۔ جن کی نسبت ہم یہاں معلومات درج کرنا چاہتے ہیں۔ ڈنکن فوربز اسکاٹ لینڈ کے ایک چھوٹے سے قریے میں پیدا ہوئے تھے ۱۸۲۴ء میں ختم تعلیم پر کلکتہ چلے آئے۔ لیکن دو سال کے قیام کے بعد خرابی صحت کے باعث ۱۸۲۶ء میں یورپ واپس ہو گئے۔ اس سال دتاسی

سے اُن کی پہلی ملاقات ہوئی جو عمر بھر قائم رہی۔ وہ گلکرسٹ کے شاگرد تھے۔ اور آرنٹ کے ساتھ لندن کے ادارۂ شرقیہ (اورنٹیل انسٹی ٹیوشن) کی بنا ڈالی تھی۔ ۱۸۳۷ء میں فوربز کو لندن یونیورسٹی کے کنگز کالج میں السنۂ مشرقیہ کی پروفسری دی گئی اور علمی خدمات کے صلہ میں چھ سال بعد ۱۸۴۳ء میں ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی سند عطا ہوئی۔ دتاسی سے ان کی بے حد دوستی اور محبت تھی۔ انھوں نے ۱۷ر آگسٹ ۱۸۶۸ء کو وفات پائی۔ دتاسی نے ان کے انتقال پر اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ :۔

"فوربز کے خطبات کی طرح ان کی جملہ تصانیف کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ نہایت صاف اور ستھری زبان میں لکھی گئی ہیں۔ فوربز کے شاگرد بے شمار ہیں بعض وہ ہیں جنھوں نے بلا واسطہ تحصیلِ علم کی اور بعض وہ ہیں جنھوں نے بالواسطہ فیض حاصل کیا۔ ان سب کے دلوں میں اپنے استاد کی بے حد قدر تھی۔ موصوف نے ایک نہایت قابل قدر قلمی کتب خانہ جمع کیا تھا۔ تین سال ہوئے بعض وجوہ کی بنا پر انھوں نے یہ کتابیں فروخت کر ڈالیں۔ چنانچہ میں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر بعض نادر نسخے حاصل کر لیئے جو میرے کتب خانہ کی زینت ہیں"

فوربز نہایت سلیم الطبع اور منکسر مزاج شخص تھے۔ ان کی زندگی ایک

علم دوست آدمی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ اپنے اور دوسرے بعض احباب کی طرح جن میں شکسپیئر، کاترمیر، دے لاگرانج، شامل ہیں، فوربز بھی عمر بھر مجرد رہے۔۔۔۔ فوربز نے عمر بھر اپنے کاموں کو انہماک اور انتہائی جوش کے ساتھ انجام دیا اور آخری وقت تک محنت اور کام کرتے رہے۔"

دتاسی کے مشہور شاگرد این بلاں نے فوربز سے بھی تحصیل علم کی تھی ۱۸۶۱ء میں فوربز نے دتاسی کے ایک اور شاگرد ریو کی مرتبہ باغ وبہار کی اشاعت کا بھی ذمہ لیا تھا۔ خود فوربز نے اُردو سے متعلق اور اُردو میں کئی کتابیں لکھی تھیں جن میں دو۲ بہت مشہور اور مقبول ہوئیں۔

(۱) اُردو لغت (۲) اُردو صرف ونحو۔

اُردو صرف ونحو ۱۸۶۰ء میں مرتب اور شایع ہوئی۔ اس میں چھوٹی سی لغت بھی شامل ہے۔ یہ کتاب اگرچہ اُردو میں لکھی گئی تھی لیکن اس کا رسم خط رومن ہے۔

فوربز نے اپنی اُردو لغت کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۶ء میں شایع کیا۔ اس ایڈیشن میں اُنھوں نے اُردو الفاظ کو ناگری رسم الخط میں بھی چھپوایا تھا۔ اور بقول دتاسی "یہ کام کمال احتیاط اور دیدہ ریزی کے ساتھ کیا"،

فوربز کا ایک اور مشہور کام باغ وبہار کو مرتب کرکے شایع کرنا ہے۔ اس کتاب کو انھوں نے پہلے رومن رسم خط میں چھاپا تھا۔ لیکن بعد کو ۱۸۶۲ء میں فارسی رسم خط میں بھی چھاپا اور اس دفعہ نسولیس کے مشورے کے مطابق

اس کتاب کے بعض ایسے فقرے حذف کر دے گئے تھے جو ذوقِ سلیم کے لئے گراں تھے۔

فوربز نے ۱۷/ اگست ۱۸۶۸ء کو لندن میں وفات پائی۔

۱۳۔ فیلن۔ ایس ڈبلیو (S.W.Fallon)۔ ابتدا میں (یعنی ۱۸۶۰ء میں اور اس سے قبل) اجمیر کے مدرسہ کے نگران اور ضلع اجمیر کے ناظر مدارس تھے اور بعد کو (یعنی ۱۸۶۸ء میں) صوبۂ بہار کے انسپکٹر تعلیمات ہو گئے تھے۔

۱۸۵۸ء میں ان کی مشہور انگریزی اُردو ڈکشنری شایع ہوئی جس میں قانونی اور تجارتی اصلاحیں جمع کی گئی تھیں۔ اس کی نسبت دتاسی نے اُسی زمانے میں یہ رائے ظاہر کی تھی کہ:۔

"یہ بہت مفید کتاب ہے جس کی ابتداء میں ایک مقدمہ ہے جس میں تاریخی و لسانی لحاظ سے انگریزی کا ہندستانی سے مقابلہ کیا گیا ہے۔"

فیلن نے اجمیر میں لیتھو کا ایک مطبع قائم کر کے ایک ہفتہ وار اُردو اخبار "خیر خواہ خلق" بھی جاری کیا تھا جو اُس علاقے میں اُردو کا پہلا اخبار تھا۔ اس کی ادارت اجمیر کالج کے قدیم طلبہ سوہن لال اور اجودھیا پرشاد کے سپرد تھی یہ دونوں انگریزی کے بھی اچھے ماہر تھے اس لئے ان کی تحریر میں انگریزی اثر بھی نمایاں رہتا تھا۔ "خیر خواہ خلق" ہر ہفتے چھوٹی تقطیع کے آٹھ صفحات پر شایع ہوتا تھا۔ روزمرہ کی عام خبروں کے علاوہ اس اخبار میں مختلف عنوانوں پر مضامین بھی شریک کئے جاتے تھے جن میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کو سرکار انگریزی نے پسند نہ کیا۔

چنانچہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد اس اخبار کی اشاعت ممنوع قرار دی گئی۔

فیلن نے آگرہ طبی کالج کے سب اسسٹنٹ سرجن اور علم التشریح کے مدرس مکند لال سے جو دہلی کالج کے قدیم طلبہ سے تھے ایک رسالہ "تاریخ بغاوت ہند" مرتب کرایا تھا جس کی ۱۳ جلدیں ۱۸۵۹ء اور ۱۸۶۰ء کے درمیانی زمانہ میں شایع ہوئیں اور یہ جلدیں گارساں دتاسی کے یہاں فیلن ہی کی بدولت پہنچی تھیں۔ ان کے علاوہ فیلن نے دتاسی کے یہاں منشی شیو نرائن کی ایک کتاب "رسید ن شہ" بھی بھجوائی تھی جس کے تمثیلی طرز بیان کو دتاسی نے مشرقی مذاق کے بالکل مطابق قرار دیا ہے۔

فیلن نے صوبۂ بہار کے انسپکٹر تعلیمات کی حیثیت سے مدارس میں اُردو کی تعلیم کے لئے اُردو ریڈروں کا ایک سلسلہ بھی مرتب کیا تھا۔ ان کی تیاری میں منشی سورج مل نے بڑی مدد دی تھی اور ان کی تالیف میں مشرقی طریقہ تعلیم کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔ اسی طرح پٹنہ اور الٰہ آباد کے محکمہ تعلیمات کی تحریک پر فیلن نے ایک کتاب "اُردو آموز" بھی مرتب کی تھی اور یہ سب نصابی کتب بھی دتاسی کے یہاں روانہ کی تھیں۔

۱۴۔ گلکرسٹ۔ ڈاکٹر جے، بی (Gilchrist.) اس مشہور محسن اُردو کے نام اور کام سے اہل اُردو اب ایک حد تک واقف ہو چکے ہیں۔ ان کے کارنامے اس قابل ہیں کہ ان پر بھی دتاسی کی طرح ایک علٰحدہ کتاب لکھی جا سکتی ہے اور موقع ملے تو انشاء اللہ اس کی تکمیل کی کوشش کی جائے گی۔ یہاں مختصر طور پر صرف اس امر کا اظہار کافی ہے کہ دتاسی کو

اُردو ادب کا شوق اور تاریخ ادب اُردو کی نسبت معلومات جمع کرنے کا خیال گلکرسٹ ہی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ وہ ۴ دسمبر ۱۸۵۴ء کے خطبۂ افتتاحیہ میں کہتا ہے کہ:-

"۱۸۲۸ء سے جب کہ نامور گلکرسٹ نے جو انگریزوں
میں ہندستانی زبان کی تعلیم اور مطالعہ کا بانی ہوا ہے
اپنی اُردو قواعد میں ایک تذکرہ کا حوالہ دیا ہے مجھے
اس زبان کی ادبی تاریخ کا شوق پیدا ہوا۔"

گلکرسٹ اسکاٹ لینڈ کے باشندے تھے اور اُردو سے اُنھیں بڑی دلچسپی تھی۔ ۱۸۰۰ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے انگریز ملازموں کو اُردو زبان اور ہندستانی اُمور سے متعلق آگاہ کرنے کے لئے فورٹ ولیم کلکتہ میں کالج قائم کیا تو یہ اس کے صدر مقرر کئے گئے اور انھوں نے متعدد ہندو اور مسلمان اہل قلم سے سادہ اور سلیس اُردو نثر کی کتابیں قلمبند کرائیں۔ جن کا تذکرہ "ارباب نثر اُردو" میں تفصیل سے درج ہے۔ خود گلکرسٹ نے بھی اُردو زبان کی صرف ونحو اور لغت کے علاوہ نثر اُردو کے کئی انتخابات بھی مرتب کئے تھے۔

اُنھوں نے پیرس میں ۱۸۴۱ء میں انتقال کیا۔ ان کی بیوہ نے بعد میں جنرل پپ کے ساتھ شادی کرلی تھی اس خاتون نے ۱۸۶۵ء میں اپنے وفات کے وقت اپنے وطن اسکاٹ لینڈ کی مشہور ایڈنبرا یونیورسٹی کے نام ساڑھے سات ہزار فرانک سالانہ کی آمدنی چھوڑی تھی اور یہ وصیت کی تھی کہ اس رقم سے تین وظیفے قائم کئے جائیں اور یہ وظیفے ایسے تین ہندستانی طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے

دئے جائیں جو صوبجات بنگال، مدراس یا بمبئی کے باشندے ہوں اور یہ بھی صراحت کردی تھی کہ ان تینوں صوبوں میں جتنے مشہور کالج ہیں ان کے طلبہ میں سے تین بہترین کو مقابلہ کے ذریعے سے منتخب کرکے یہ وظیفے دئے جائیں۔

گلکرسٹ کے کتب خانے کا ایک قلمی نسخہ "قصّۂ کامروپ" مصنفۂ کندن لال لاہوری جو خود مصنّف کا مکتوبہ تھا دتاسی کے کتب خانے میں موجود تھا دیکھو کٹلاگ نمبر ۲۸۵۱۔

۱۵۔ لائٹنر۔ ڈاکٹر (Leitner) اُردو کے مشہور سرپرست تھے اور اُردو کو ذریعہ تعلیم بناکر ایک اُردو جامعہ قائم کرنے کا خیال سب سے پہلے لائٹنر ہی نے پیش کیا تھا۔ یہ گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے اور حکومت پنجاب میں بڑا رسوخ رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنے کالج کو فروغ دینے کے لئے انھوں نے یہاں تک کوشش کی کہ لفٹنٹ گورنر پنجاب کو اپنا ہم خیال بناکر دلی کالج کو بند کرادیا اور وہاں کے جملہ اساتذہ اور طلبہ کو لاہور بلوالیا۔

جنوری ۱۸۶۵ء سے اپنی ادارت میں لائٹنر نے ایک انگریزی ماہنامہ "پنجاب ایجوکیشنل میگزین" جاری کیا تھا جس میں تعلیمی خبروں اور مشوروں کے علاوہ پرمغز مضامین اور مہینہ بھر کی ادبی مصروفیتوں کی تفصیل بھی درج کی جاتی تھی۔ اس کی پہلی اشاعت میں خود ڈاکٹر لائٹنر کا ایک مضمون "عربی حروف تہجی" کے عنوان پر شایع ہوا تھا۔ ۱۸۶۶ء میں ڈاکٹر لائٹنر دوسری مصروفیتوں میں اتنے منہمک ہوگئے کہ اس رسالہ کا ایک نمبر بھی شایع نہ کرسکے۔ اس رسالہ میں ایک مضمون انگریزی تعلیم کے عنوان سے بھی شایع کیا گیا تھا جس میں

بنایا گیا تھا کہ ہندوستان میں انگریزی زبان کی تعلیم سے کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہوا بلکہ ہندستانیوں کی زندگی کو اُلٹا اس سے نقصان پہنچا۔ یہی خیالات تھے جن کی بنا پر لائٹنر نے اُردو یونیورسٹی کے قیام پر زور دیا تھا۔

ڈاکٹر لائٹنر نے لاہور میں ایک "انجمن اشاعت علوم" بھی قائم کی تھی جس کا سرپرست کپتان فلر کو بنایا تھا (دیکھو نمبر ۱۰)۔ اس انجمن میں ہندو اور مسلمان بلاامتیاز مذہب وملت شریک کئے گئے۔ اخبار کوہ نور کے مدیر ہرسکھ رائے اس کے معتمد اور لیپل گریفن (Lepel Griffin) نائب صدر تھے۔ اس انجمن نے قلیل عرصہ میں بڑی شہرت اور اہمیت حاصل کرلی تھی۔ ہندو لوگ اس کو "سکشن سبھا" کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کے ساتھ پبلک کے استفادے کے لئے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا اور اس کے مقاصد میں ادبی، معاشرتی موضوعوں پر کتابوں کی اشاعت کا کام بھی شامل تھا۔ اس کی شاخیں پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی قائم ہوگئی تھیں۔ یکم اکتوبر ۱۸۶۵ء سے اس انجمن کے زیراہتمام عام دلچسپی اور معلومات کی خاطر اُردو میں تقریریں بھی کرائی جانے لگیں۔

انجمن اشاعت علوم کا پہلا اجلاس ۲۱ جنوری ۱۸۶۵ء کو منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر لائٹنر اور پنڈت من پھول نے تقریریں کیں جن میں انجمن کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ انجمن عوام کی خدمت کی غرض سے قائم کی گئی ہے اور عوام کی حالت کو سدھارنا اور تعلیم یافتہ اصحاب کو روشن خیال بنانا اس کا اہم ترین فریضہ ہوگا۔ اس انجمن کے قواعد وضوابط اُردو میں شایع ہوئے تھے اور اُن پر ہمعصر اخبارو اور رسالوں نے تبصرے بھی کئے تھے۔

جب ہندوستان میں اُردو ہندی کا جھگڑا شروع ہوا تو انجمن لاہور نے اُردو کی حمایت کی اور اپنے ایک جلسہ میں مسٹر بیمز کے اُن خیالات کی تائید کی جو انھوں نے اُردو کی حمایت میں ظاہر کئے تھے اور کہا تھا کہ فارسی اور عربی کے الفاظ کو اُردو میں سے خارج کرنے کی تحریک ہندوستانیوں کے لئے نہایت مضر ثابت ہوگی۔

۱۸۶۶ء میں پنجاب ایجوکیشنل میگزین کی طرح یہ انجمن بھی کچھ خاموش سی رہی کیونکہ لائٹنر دوسرے کاموں میں مصروف تھے۔ ۱۸۶۷ء میں مولوی محمد حسین اس کے معتمد مقرر ہوئے اور پھر اس کی حالت سدھر گئی۔ اسی سال اپریل کے مہینے میں اس کا ایک جلسۂ عام منعقد ہوا جس میں معتمد نے اعلان کیا کہ:۔

"آئندہ سے انجمن اس امر کی کوشش کرے گی کہ غرباء کی ضرورتیں پورا کرنے میں بھی تھوڑی بہت مدد کرے۔"

اس مقصد کے تحت ایک پروگرام مرتب کیا گیا جس میں سرکاری اسپتالوں میں مفلسوں کے ساتھ جو بُرا برتاؤ کیا جاتا ہے اس کا تدارک کرنا، افلاس کے باعث جو عورتیں عصمت فروشی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہیں انھیں اس بے حیائی سے بچانا، اور غریب غربا کے لئے دوا تقسیم کرنے کا انتظام کرنا جیسے امور خاص کر قابلِ ذکر تھے۔

ستمبر میں اس انجمن کا ایک اور جلسہ منعقد ہوا جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستانیوں کو اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں بھی جگہ ملنی چاہیئے۔ اس کے علاوہ ریلوے کے انتظام سے متعلق بھی بعض شکایتیں حکومت کے گوش گزار کی گئیں۔

۵ر اکتوبر ۱۸۶۷ء کو بھی ایک اور جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں محمد مرزا کا مرتب کردہ ایک صرف ونحو کا رسالہ پیش کیا گیا تھا۔ اس میں عربی، فارسی اور ترکی صرف ونحو سے اُردو زبان کی صرف ونحو کا مقابلہ کیا گیا تھا۔ مرتب نے انجمن سے خواہش کی کہ وہ اپنی طرف سے یہ رسالہ شایع کر دے۔

۱۸۶۵ء ہی میں لائٹنر نے ایک اُردو یونیورسٹی کے قیام کا خاکہ تیار کیا تھا جو مختلف ماہرین علوم ومشاہیر کے یہاں بغرض رائے روانہ کیا گیا تھا۔ اس کا نصب العین یہ بتایا گیا تھا کہ ہندستانی لوگوں میں علوم وفنون کو رواج دیا جائے اور اُردو ادب کو فروغ دینے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور کوشش کی جائے کہ اس زبان میں ایک جدید ادب وجود میں آئے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے لائٹنر نے ختم ۱۸۶۵ء تک سرمایہ بھی جمع کر لیا تھا اور لاہور کے رُؤسا نیز لفٹنٹ گورنر مک لیوڈ کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا چونکہ مک لیوڈ خود ایک مستشرق ہونے کے علاوہ علوم شرقیہ کے قدر دان تھے اس لئے سررشتہ تعلیمات کے اعلیٰ حکام کے نام انھوں نے اس جامعہ کے قیام کی نسبت ایک مراسلہ روانہ کیا تھا۔ جس کی اطلاع ٹائمز آف انڈیا بابت ۲۸ر اکتوبر ۱۸۶۵ء میں بھی شایع ہوئی تھی۔

لائٹنر کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۶۶ء میں لاہور میں ایک جامعۂ مشرقیہ قائم ہو گئی جس کی نسبت دتاسی نے اپنے اس سال کے خطبہ میں کہا کہ:۔

> "موصوف (لائٹنر) نے ہندستانی ادب کو فروغ دینے کے لئے نہایت قابل تعریف کوشش کی۔ آپ نے صرف یہی نہیں کہ لاہور کی اکیڈمی (انجمن اشاعت علوم) قائم کی

بلکہ اس کے علاوہ بالخصوص پنجاب اور سارے
ہندستان کے لئے ایک عظیم الشان جامعہ کی بناڈالی
اس جامعہ کا مقصد یہ ہے کہ مشرقی علوم والسنہ
کی تحقیق کی جائے۔ ..... میرے پیش نظر اس کے
متعلق بعض تجاویز ہیں۔ یہ تجاویز اُردو میں ہیں۔
ان تجاویز کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ اس کی ایک
انتظامی کونسل ہوگی اور اس کے علاوہ متعدد کمیٹیاں
ہوں گی۔ ایک کمیٹی کے سپرد یہ کام ہوگا کہ اُردو کی
ترقی کے وسائل بہم پہنچائے اور ایک دوسری کمیٹی
مشرقی علوم کو ہندستانیوں میں رائج کرنے کے متعلق
تجاویز پیش کرے گی۔"

ڈاکٹر لائٹنر نے اس مشرقی جامعہ کو بالکل یورپی انداز پر قائم کیا تھا۔ اور یورپ کی جامعات کی طرح اس کے لئے بھی اعزازی ارکان منتخب کئے گئے چنانچہ گارساں دتاسی کی خدمت میں بھی یہ اعزازی رکنیت پیش کی گئی تھی۔

ڈاکٹر لائٹنر کی تحریک پر پنجاب کے لفٹنٹ گورنر نے بانیان جامعہ کو خطاب کرتے ہوئے جو خط لکھا تھا وہ بھی جامعہ سے متعلق دیگر کاغذات کے ساتھ مشہور مستشرقین اور علماء کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا۔ اس خط کا خلاصہ ہم ذیل میں گارساں دتاسی کے خطبے سے نقل کرتے ہیں کیونکہ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ آج سے پچھتر سال قبل اُردو کے بہی خواہ اس کی ترقی کے

لئے کیسے مفید ذرائع اختیار کر چکے ہیں۔

"اس جامعہ کا مقصد یہ ہے کہ مشرقی علوم کی ترقی میں کوشاں ہو اور اُردو کا جدید ادب پیدا کرے۔ اس کے مقاصد کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس امر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ہندستان میں یوروپین لوگ نہیں بستے ہیں اور جنہیں تعلیم دینا مقصود تھا وہ بھی یوروپین لوگ نہیں بلکہ ہندستانی ہیں۔ سب سے پہلے تو اس کی ضرورت ہے کہ ہندستانیوں کے ادب سے ہم واقفیت پیدا کریں۔ پھر اس کے بعد اُنھیں اس کا موقع دیں کہ وہ اپنا ذاتی ادب پیدا کریں۔ اس ادب میں مغربی اثر موجود رہے گا اس واسطے کہ اس سے مفر نہیں۔"

اگرچہ ڈاکٹر لائٹنر کی یہ تحریک منظور نہ ہوئی کہ اس جامعہ کا ذریعۂ تعلیم اُردو ہو تاہم مشرقی علوم وفنون کی تعلیم کے لئے ایک علٰحدہ کالج قائم کر دیا گیا تاکہ اس میں اُردو، فارسی اور عربی ادبیات کی تعلیم دی جائے۔ چنانچہ اس کالج میں پنجاب کے جملہ اقطاع کے علاوہ کابل کے طلبہ بھی شریک ہوئے اور ۱۸۶۷ء میں اس کالج نے بڑی ترقی حاصل کی۔

ڈاکٹر لائٹنر نے دیسی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم قرار دینے کی جو تحریک کی تھی وہ بعد کو ہندستان کے مختلف صوبوں میں اٹھائی گئی۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں انجمن اسلامی

کلکتہ نے دو ہزار لوگوں کے مجمع میں اس تحریک پر زور دیا۔ اس جلسہ میں ہندستان کے مشہور مسلمان رئیسوں کے علاوہ ہندو اور انگریز بھی شریک تھے اور خود اعلیٰ حکّام یعنے وائسرائے اور بنگال کے لفٹنٹ گورنر نے بھی اس میں شرکت کی تھی۔

۱۸۶۸ء میں خود صوبۂ پنجاب میں بھی یہ تحریک بے حد مقبول تھی اور لاہور میں اس کی حمایت میں بڑی جد و جہد کی گئی۔ حیدر آباد میں بھی تقریباً اسی زمانہ میں یہ تحریک اُٹھائی گئی تھی۔ لیکن اس کی تکمیل بعد کو حضرت سلطان العلوم آصفجاہ سابع کے ہاتھ سے ہونے والی تھی اس لئے جملہ ابتدائی تحریکیں عمل پذیر ہو سکیں ڈاکٹر لائٹنر ۱۸۶۸ء میں دردستان کشمیر اور تبت ادنیٰ سے متعلق تصنیفات کی ترتیب میں مصروف رہے کیونکہ ان زبانوں پر اس وقت تک کوئی کام نہیں ہوا تھا اور وہ پہلے مستشرق ہیں جنھوں نے ان زبانوں کو آریائی یا سنسکرتی السنہ کی ایک شاخ قرار دیا۔

لائٹنر اور دتاسی میں بے حد مخلصانہ تعلقات تھے اور دونوں کے آپس میں پابندی کے ساتھ مراسلت ہوتی تھی۔ چنانچہ لائٹنر موقع بموقع دتاسی کے یہاں کتابیں اور رسالے مثلاً "بحر حکمت" اور "خیر خواہ پنجاب" وغیرہ روانہ کرتے رہتے تھے۔

۱۶۔ لیس۔ میجر ڈبلیو، نسو (Nassu Lees.)۔ مشہور انگریز مستشرق تھے جن کو اصل میں عربی علوم سے خاصی دلچسپی تھی اور عربی ہی سے متعلق عالمانہ تالیفات لکھ کر شہرت حاصل کی تھی اُنھوں نے ۱۸۵۷ء میں السنۂ مشرقیہ کی

حمایت میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام تھا۔ "اِنسٹرکشنز ان دی اورنٹیل لیانگویجز کنسی ڈرڈ" Instructions in the Oriental Languages Considered.

اس رسالے میں نسولیس نے لارڈ میکالے کی اس تحریک کی پُر زور مخالفت کی تھی کہ ہندستان میں صرف لاطینی حروف استعمال کئے جائیں اور آئندہ سے انگریزی کو سرکاری زبان قرار دی جائے۔ لیس نے اپنے مذکورہ رسالہ میں اس حقیقت کو دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ "السنۂ مشرقیہ اور خاص کر اُردو زبان کی تحصیل ملکی اور فوجی خدمات کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور یہ خیال خام ہے کہ انگریزی زبان ہندستان میں ایسی مقبول ہو جائے گی کہ تھوڑے عرصہ میں انگریز السنۂ مشرقیہ سے بے نیاز ہو جائیں" خاتمۂ کتاب میں نسولیس نے اس امر پر زور دیا کہ :۔

> "انگلستان کے سیاسی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے
> جملہ السنۂ مشرقیہ کی تحصیل کی حمایت ضروری ہے۔
> جس طرح روس اور آسٹریا میں علوم و فنون مشرقیہ
> کی تحصیل کے باقاعدہ مدارس ہیں اسی طرح اس قوم
> کا بھی فرض ہے جو اپنے آپ کو ملکۂ بحر کہتی ہے کہ
> السنۂ مشرقیہ کی تعلیم کے لئے ایک ایسی درس گاہ
> قائم کرے۔"

نسولیس اپنی اصابت رائے کے باعث اپنے ہمعصر مستشرقین میں عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اُردو کے مشہور ماہر ڈنکن فوربز نے جب

باغ و بہار کا چوتھا ایڈیشن فارسی رسم خط میں شایع کیا تو لیس ہی کے مشورے سے اُنھوں نے اس کتاب کے ایسے فقروں کو خارج کر دیا جو ذوقِ سلیم کی نظر میں کھٹکتے ہیں۔

۱۸۶۴ء میں نسو لیس نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں یہ خیال ظاہر کیا کہ اُردو زبان کو رومن حروف میں لکھنا چاہیئے۔ اس کی وجہ انھوں نے یہ بیان کی کہ اُردو کا اپنا کوئی مخصوص رسمِ خط نہیں ہے۔ فارسی رسم خط ہندی نژاد نہیں ہے اور دیوناگری رسمِ خط میں یہ صلاحیت نہیں کہ فارسی زبان کے عناصر کا بخوبی اظہار کر سکے۔ اس کے جواب میں بابو راجندر لال مترنے ایک مضمون (مطبوعہ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال شمارہ ۵ بابتہ ۱۸۶۴ء) لکھا اور اس میں اُردو کو ناگری رسمِ خط میں لکھنے کی حمایت کی۔ اور گارساں دتاسی نے ان دونوں مضمونوں کا مُنصِفانہ جواب اپنے خطبہ (بابت ۱۸۶۵ء) میں دیا اور ثابت کیا کہ اُردو کے لئے فارسی رسم خط ہی زیادہ موزوں ہے۔

نسو لیس کی ایک کتاب "حکومت ہند کی تعلیمی پالیسی کی نسبت مختصر مضامین اور تبصرے" اسی زمانہ میں شایع ہوئی تھی۔ اس میں اُنھوں نے کلکتہ، مدراس اور بمبئی کی جامعات کے نتائج پر نظر ڈالتے ہوئے اس امر کی اہمیت بتلائی ہے کہ ہندستانی جامعات میں ہندستانی امور کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیئے اور تعلیم کا ہرگز یہ منشاء نہ ہونا چاہیئے کہ اہل ہند اپنے ماضی کو بھول جائیں اور اپنی قومیت کی بنیادوں کو منہدم کر دیں۔ دراصل اس امر کی

کوشش ہونی چاہئیے کہ جدید علوم وفنون کی بدولت ہندستانی معاشرت کے مختلف عناصر میں امتزاج پیدا کیا جائے تاکہ پوری ہندستانی قوم جسد واحد کی طرح زندگی بسر کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہندستانیوں کو بالکل مغربی رنگ میں رنگ دیا جائے۔

۱۷۔ ہالرائڈ۔ کرنل ڈبلیو، آر، ایم (Holroyd)۔ اُردو کے بڑے حامی اور ماہر تھے اور جدید اُردو شاعری کا آغاز انہی کی کوششوں کی وجہ سے عمل میں آیا۔ یہ غدر کے بعد دس سال تک پنجاب میں ناظر مدارس کی خدمت پر فائز رہے اور میجر فلر کی غیرموجودگی میں نظامت تعلیمات کا کام بھی انجام دیا تھا۔ آخر کار ۱۸۶۸ء میں مستقل طور پر پنجاب کے ناظم تعلیمات مقرر کئے گئے۔ اور بقول دتاسی "دراصل موصوف سے زیادہ اس خدمت کے لئے اور کوئی نہیں مل سکتا۔"

ہال رائڈ اُردو زبان میں بلاتکلّف اور روانی کے ساتھ گفتگو اور تقریر کرسکتے تھے۔ انھوں نے اپنے پیشرو کی رسم کے مطابق ۲۵ مارچ ۱۸۶۸ء میں دہلی کے دیسی مدارس کے طلبہ کو انعامات تقسیم کرنے کے لئے ایک دربار منعقد کیا تھا اور اِس میں بڑی روانی اور طلاقت کے ساتھ اُردو میں ایک تقریر کی اور دورانِ تقریر میں اُردو کے بہی خواہ اور دہلی کالج کے ڈائرکٹر میجر فلر اور مسٹر ہنٹر کے انتقال پر خاص طور پر اظہار تاسف کیا۔

۱۸۶۹ء میں ہال رائڈ کی کتاب "رسوم ہند" شایع ہوئی۔ اس کتاب کی تالیف کا آغاز اس کمیشن کی خواہش پر ۱۸۶۴ء میں ہوا تھا جو سر ڈی مک لیوڈ

کی صدارت میں مقرر کیا گیا تھا تاکہ اُردو زبان میں اعلیٰ درجہ کی تصانیف تیار کرائی جائیں۔ اس کی ترتیب میں نارمل اسکول کے ایک ہندو مہتمم اور دہلی کالج کے عربی کے پروفسر اور چند دیگر ہندستانی اصحاب نے بھی ہال رائڈ کا ہاتھ بٹایا تھا۔ اس میں اہل ہند کے مذاہب اور ان کے مختلف فرقوں کا اختصار سے حال بیان کیا گیا تھا ہے۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے عقائد پر تبصرہ ہے۔ اور خاص طور پر شمالی ہند کے باشندوں کی خانگی زندگی اور ان کے عادات و اخلاق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کی زبان اور طرز تحریر بے حد سادہ اور سلیس ہے۔

ہال رائڈ نے اوائل ۱۸۶۸ء میں ایک اعلان کیا تھا کہ ۳۱ مارچ ۱۸۶۹ء کو اُردو تصانیف کا ایک مقابلہ عمل میں آئے گا جس کے لئے حسب ذیل چار موضوعوں پر کتابیں لکھ کر روانہ کی جائیں۔ جس میں بہترین کو اول و دوم انعام دئے جائیں گے۔

(۱) عام اصول صرف و نحو۔

(۲) فارسی صرف و نحو۔

(۳) تاریخ ہند کی ایسی کہانیاں جن میں اہم واقعات اور مشاہیر کے تفصیلی حالات بیان کئے جائیں۔

(۴) اقلیدس کے ایک حصے کا ترجمہ

اس اعلان میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ کتابوں کی زبان نہایت سادہ ہو اور حتیٰ الامکان فارسی محاوروں سے پرہیز کیا جائے۔ ناظم تعلیمات

کو یہ حق حاصل ہوگا کہ جو کتابیں پسند کی جائیں انھیں تغیر و تبدل کے ساتھ طبع کرائے
اُردو کتابوں کے مقابلہ کا یہ اعلان جملہ اخباروں میں شایع کیا گیا۔ چنانچہ
"اخبار عالم" کی ۱۳ ار آگسٹ ۱۸۶۸ء کی اشاعت میں بھی یہ چھپا تھا اور دتاسی نے
اپنے خطبہ بابت ۱۸۶۸ء میں بھی اس کی مختصر روئداد سُنائی تھی۔

ہال رائڈ ہر سال بحیثیت ناظم تعلیمات ایک رپورٹ شایع کیا کرتے تھے۔
جس میں دوران سال کی اُردو مطبوعات کی تعداد اور تفصیل بھی بیان کی جاتی
تھی۔ اس قسم کی ایک رپورٹ (بابت ۱۸۶۷ء و ۱۸۶۸ء) میں انھوں نے لاہور،
دہلی، اور لدھیانہ سے چھپی ہوئی ۱۵۲ کتابوں کی تفصیل دی ہے۔ اس میں
۱۱۹ اُردو کی تھیں اور ۳۳ ہندی کی۔ ایک اُردو کتاب رومن رسم خط میں بھی
چھپی تھی۔

ہال رائڈ نے اُردو کی بڑی خدمت کی ہے اور وہ دتاسی اور گلکرسٹ
کی طرح اس زبان کے اُن محسنوں میں سے ہیں جن کی خدمات پر علٰحدہ علٰحدہ
کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں صرف وہی حالات اجمال کے ساتھ لکھے گئے ہیں
جو دتاسی کے سلسلہ میں معلوم ہوسکے۔

ختم

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن